اپنے گھر سے
بیت اللہ تک
تالیف
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

عناوین :

۱۔ اپنے گھر سے بیت اللہ تک ۱۳

۲۔ حج کے چند مشاہدات و احساسات ۸۴

۳۔ حج کے سلسلے میں شریعت کے حکیمانہ انتظامات ۱۱۴

عرضِ ناشر:

زیرِ نظر کتاب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے تین انتہائی دلسوز اور جذبات و احساسات سے پُر مضامین کا مجموعہ ہے۔ کتاب کا نام پہلے مضمون کے عنوان پر تجویز کیا گیا ہے، جو مصنّف نے مولانا محمد منظور نعمانی کے اصرار پر "الفرقان" کے "حج نمبر" کے لیے ۱۳۶۸ھ میں لکھا تھا۔ بعد میں یہ مضمون حجاجِ کرام کی سہولت کے لیے ایک رسالے کی شکل میں بھی شائع ہوا جس کے دیباچے کے طور پر مولانا منظور نعمانی نے جو چند سطریں سپردِ قلم کی تھیں ہدیۂ ناظرین ہیں:

"...... مضمون کے متعلق ناظرینِ کرام کو یہ بتا دینا میرے لیے ضروری ہے کہ رفیقِ محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا یہ مضمون جو آپ بیتی کے انداز پر لکھا گیا ہے، مولانا موصوف نے میرے شدید اصرار پر ۱۳۶۸ھ میں "الفرقان" کے "حج نمبر" کے لیے لکھا تھا اور از راہِ اخلاص و انکسار ان کا سخت اصرار تھا کہ اس مضمون کے لکھنے والے کا نام ظاہر نہ کیا جائے ___ اور ان کو امید تھی کہ میں ایسا ہی کروں گا لیکن جب انھوں نے یہ مضمون تیار کر کے حوالے کر دیا تو میں نے اُن کی فرمائش کی تعمیل اپنے لیے ضروری نہ سمجھی ___ بہر حال اس مضمون کو مولانا کے نام سے شائع کر دینے کی اچھائی برائی کا ذمہ دار یہ عاجز ہے۔"

دیگر دو عناوین میں سے ایک حضرت مولانا کی تقریر ہے اور دوسرا مضمون ان کی کتاب "ارکانِ اربعہ" سے ماخوذ ہے۔ موضوع کی وحدت، اہمیت و تازگی کے لحاظ سے ان دونوں کی یکجا اشاعت کا اہتمام مولانا کے عزیز خورد مولوی سید محمد حمزہ ندوی نے اپنے ادارے مکتبۂ اسلام لکھنؤ سے کروایا تھا۔ اب انھیں کی فرمائش اور باجازتِ مصنّف ان تینوں مقالوں کو یکجا کر کے شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔

انیس چشتی، پونہ
۳۱ اکتوبر ۱۹۸۹ء
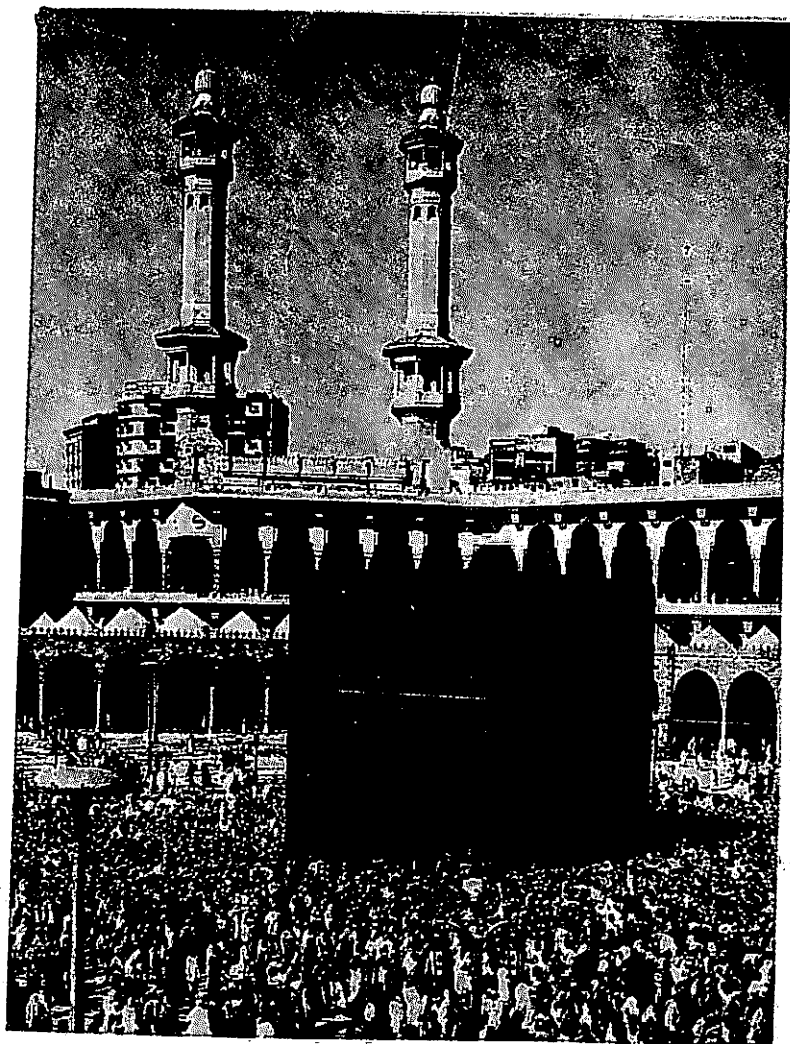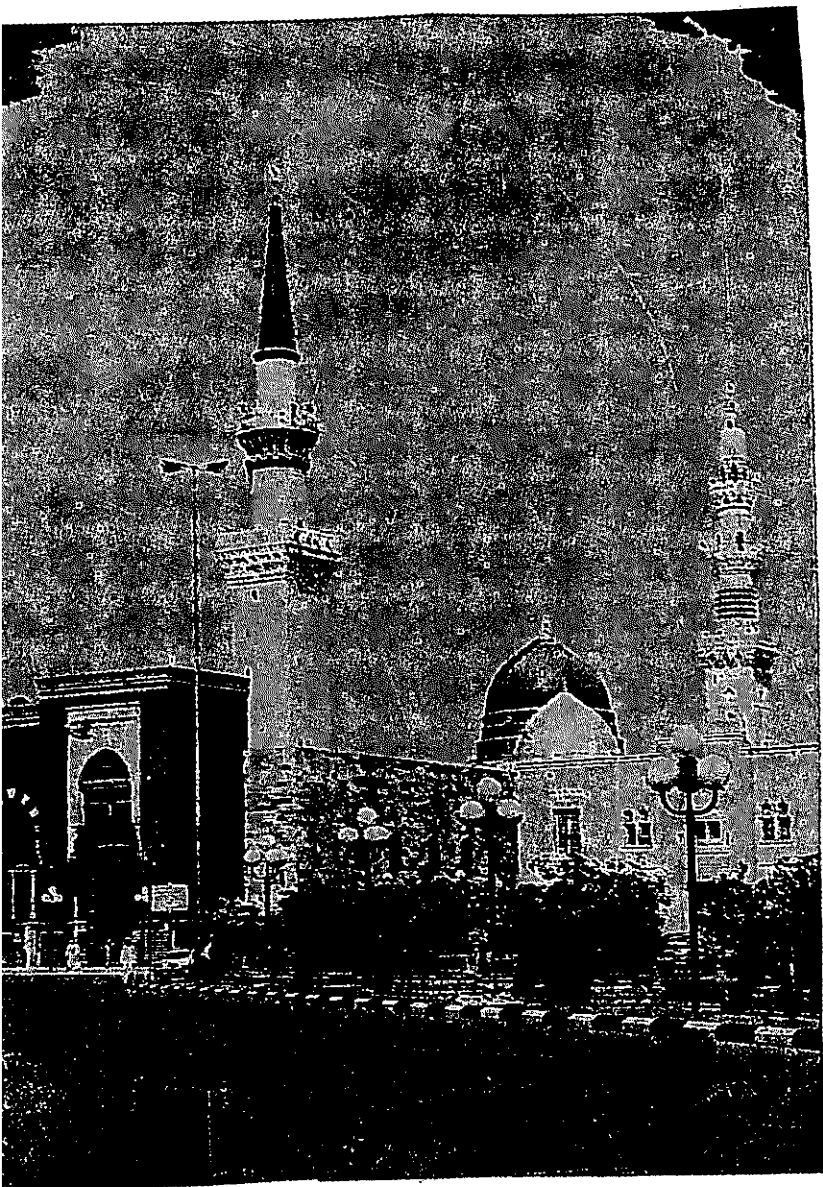
مسجدِ نبویؐ باب السّلام کی جانب

پیش لفظ

حج اسلام کا پانچواں رکن ہے۔ ہر صاحب استطاعت مسلمان پر زندگی میں ایک بار فرض ہے۔ وہ اسلام کی ایسی ہی عبادت ہے جیسی کہ نماز، روزہ اور زکوٰۃ۔ صاحبِ استطاعت مسلمان پر اس کی ادائیگی ضروری قرار دی گئی ہے۔

حج کی ادائیگی میں عبادت کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ جو دینی و روحانی منافع ہیں وہ کم اہمیت کے حامل نہیں ہیں۔ مسلمان کی زندگی کی دینی و اسلامی تربیت و رہنمائی میں اس کا بڑا حصّہ ہے اور متعدّد دینی فائدے ایسے ہیں جو صرف اسی عبادت کی ادائیگی سے حاصل ہوتے ہیں۔ حج مکّہ سے عرفات تک کے خطّہ میں انجام دیا جاتا ہے۔ یہاں دنیا کے خطہ خطّہ سے مسلمان اکٹھا ہوتے ہیں اور سب اپنے بے شمار اختلافات اور فروق کے باوجود ایک جیسے ہو جاتے ہیں، اور کیوں نہ ہوں، سب ایک ہی پروردگار کے بندے اور ایک مورث نبی حضرت آدمؑ کی اولاد،

ایک نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے اور ایک دینِ اسلام کے پیرو ہیں، تو پھر یکسانی اور وحدت کیوں نہ ہو، اور اگر ہر جگہ اور ہر وقت یہ ممکن نہ ہو تو ایک خاص جگہ اور ایک متعیّنہ وقت میں ضرور کرلی جائے تاکہ اس وحدت، یک جہتی اور یکسانی کا مظاہرہ اور عمل کبھی تو ہو جائے اور اس کے جو دینی و روحانی فائدے ہیں وہ حاصل ہو سکیں۔

تمام مسلمان اپنے ہر طرح کے فرق کے باوجود ایک ملّت ہیں اور یہ اِس ملّت کا ایسا امتیاز ہے جس میں دنیا کی کوئی دوسری اُمّت اس کی ہمسر نہیں۔ ملّتِ اسلامی کے اس امتیاز کے بقاء میں حج کا بڑا دخل ہے۔ جب ہندوستان کا مسلمان اپنے کرتے پاجامہ میں، انڈونیشیا کا مسلمان اپنی بشرٹ اور لنگی میں، عرب کا مسلمان اپنے لانبے کرتے میں اور افریقہ کا مسلمان اپنے ڈھیلے اور لانبے انگرکھے میں، ترکی کا مسلمان ترکی کوٹ پتلون میں، اور افریقہ اور یورپ اور دیگر علاقوں کے مسلمان اپنے رنگ برنگے طرح طرح کی کاٹ رکھنے والے لباسوں میں مکہ کی جانب روانہ ہوتے ہیں اور حج کے لیے سب اپنے انواع واقسام کے لباسوں کو اُتار کر صرف دو سفید چادروں میں ملبوس ہو جاتے ہیں تو سوائے جسمانی ڈیل ڈول یا چہرے کے رنگ کے فرق کے سب فرق مٹ جاتے ہیں اور اس عظیم عمل کا ظہور ہوتا ہے کہ ایک پروردگار کے سامنے اس کے سب ماننے والے ایک بندے کی طرح حاضر ہیں۔ سب کی زبان سے جو الفاظ نکلتے ہیں وہ یہ ہوتے ہیں:

"حاضر ہوں تیرے سامنے اے پروردگار حاضر ہوں تیرے سامنے،

حاضر ہوں تیرے سامنے، تیرا کوئی ہمسر و شریک نہیں، حاضر ہوں تیرے سامنے، بیشک ساری مدح وستائش تیرے لیے ہے، احسان سب تیرا ہے، تیرا کوئی ہمسر و شریک نہیں۔"

ان الفاظ کو دیکھیے اور سب کو ایک لباس میں برہنہ سر اور تواضع اور یک جہتی کے ساتھ اپنے رب کے لیے انتہائی عقیدت اور سپردگی کے انداز کے ساتھ اکٹھا اور وارفتہ حال دیکھیے اور پروردگارِ عالم کی عبادت کے لیے تعمیر کیے جانے والے سب سے پہلے گھر کے گرد گھومتا ہوا اور قربان ہوتا ہوا دیکھیے تو حج کا وہ شاندار، دلنواز، پُرکیف و پُرسوز انداز سامنے آتا ہے جس کی مثال نہ کہیں ملتی ہے اور نہ مل سکتی ہے۔

مسلمان جب حج سے واپس آتا ہے تو اپنے قلب میں ایسی کیفیّت لے کر آتا ہے جو اس کی زندگی میں مقدّس چراغ کی مانند ہوتی ہے جو تاحیات اس کے قلب کو روشن رکھتی ہے۔ اس سے اس کے دل میں اپنے پروردگار کے لیے وارفتگی، اُمّتِ اسلامیہ کے تمام افراد سے اخوت و محبّت اور اپنی طرف سے ہمہ وقت بندگی کا احساس جاگزیں ہو جاتا ہے جو ایک مشعل کی طرح اس کے رُجحانات و جذبات کو منوّر رکھتا ہے۔

حج سے ایک مسلمان بہت سے سبق سیکھتا ہے اور بہت سے آداب سے واقف ہوتا ہے اور بندگی کی اس تہذیب سے آشنا ہوتا ہے جو حج کے مقامات پر

حاضر ہوئے بغیر اُس کو نہیں حاصل ہو پاتی۔

اِس لیے حج کا عمل مسلمان کی زندگی میں سنگِ میل ثابت ہوتا ہے اور اس کو سنگِ میل کی حیثیت بھی حاصل ہے۔ جو مسلمان حج سے نہ درست ہو، اُس کو سمجھا جاتا ہے کہ اب یہ کسی اور طریقہ سے درست نہ ہو سکے گا، اور جو حج کو جانے لگتا ہے اُس کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ اب یہاں سے اس میں تبدیلی آئے گی۔

حج ایک نعمت ہے۔ ایک لذّت و کیفیت ہے۔ ایک دَرس و تربیت ہے۔ ایک انقلابی عمل ہے، اخلاق و دین کی ایک کان ہے۔ اس سے ایک مسلمان اپنی صلاحیت و فکر مندی کے مطابق اپنی زندگی کو سنوارنے کا سامان کھود کر لے آتا ہے۔ لیکن اگر اس کان پر آدمی نہ جائے یا جائے لیکن اس کان سے اپنی ضرورت کا سامان نہ نکالے تو اس ناکامی کی ذمہّ داری اُس کے سَر ہوگی۔ حج پر یا مقاماتِ حج پر نہ ہوگی۔

مخدومِ گرامی منزلت حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، نے متعدد حج بھی کیے ہیں اور بار بار عمرے کیئے ہیں۔ مقاماتِ حج پر بار بار حاضری دی ہے۔ حج کے بارے میں قرآن و حدیث میں خوب پڑھا بھی ہے پھر اس کی تشریح بھی اپنی زبان و قلم سے کی ہے۔ مولانا مدظلہٗ نے حج کے بارے میں جس طرح اپنے تاثرات و معلومات کا اظہار کیا ہے وہ اپنے انداز کا اچھوتا اور مؤثر اظہار ہے۔ اس سے اس عظیم اور دلنواز عمل کی چمک و لذّت خاصی محسوس کی جاتی ہے۔ مولانا مدظلہٗ کی کتاب ارکانِ اربعہ میں حج کا بیان بڑا دلنواز ہے۔ اس کے علاوہ مولانا مدظلہٗ کی تقریروں میں

بھی بڑی مؤثر جھلک ملتی ہے جن کو سننے والے اور پڑھنے والے خوب محسوس کرتے ہیں اور لطف واثر لیتے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب مولانا مدظلہٗ کے تین مقالوں پر مشتمل ہے۔ جس میں ایک مقالہ ان کی کتاب "ارکانِ اربعہ" سے ماخوذ ہے۔ اپنے موضوع کی وحدت اور اپنے مضمون کی اہمیت وتازگی کے لحاظ سے ان کی یکجا اشاعت کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اُمید ہے کہ کوشش ناشر کے لیے بھی اور تمام قارئین کے لیے بھی مفید ثابت ہوگی۔

خاکسار ـــــ محمد رابع حسنی ندوی
مورخہ ۵ ار ربیع الآخر ۱۴۰۲ھ

دائرہ شاہ علم اللہؒ
رائے بریلی

نقشۂ مقامات حج
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
جبل الرحمۃ
مسجد خیف
مسجد مشعر الحرام
مسجد نمرہ
منیٰ
جمرۃ الاولیٰ
مروہ
عرفات
وادی عرنہ

اللہ اللہ کر کے روانگی کی تاریخ آئی ع

"دن گنے جاتے تھے جس دن کے لیے"

جس دن کی آرزو لے کر اللہ کے لاکھوں نیک اور مقبول بندے دنیا سے چلے گئے۔ ہزاروں اولیاء اللہ عمر بھر اسی حسرت و اشتیاق میں رہے، وہ ایک ظلوم اور جہول بندے کو نصیب ہو رہا ہے۔

"بر ایں مژدہ گر جان فشانم رواست"

بہت چاہا کہ سوائے چند مخصوص دوستوں کے کسی کو خبر نہ ہو کہ ایسے موقع پر ریا و عُجب (خود پسندی) سے حفاظت اور اخلاصِ کامل کا بڑا اونچا مقام اور اللہ کے مخلص بندوں کا کام ہے۔ اگر سفر کی بسم اللہ ہی غلط ہوئی اور اخلاص میں فرق آیا تو بڑا خطرہ ہے ع

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

لیکن ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے کو خبر ہو ہی گئی۔ اے اللہ دل کا نگہبان تو ہی ہے۔ اپنی ناکارگی، گناہوں اور شامتِ نفس کا پورا استحضار اور تیرے بے استحقاق احسان کا مراقبہ رہے۔ ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی اہلیت و مقبولیت کا وسوسہ اور ریاکاری کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ آنے پائے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّ قُلُوْبَنَا وَنَوَاصِیَنَا	اے اللہ ہمارے دل، ہماری پیشانی
وَجَوَارِحَنَا بِیَدِكَ لَمْ تُمَلِّكْنَا	کے بال، ہمارے اعضاء و جوارح سب تیرے
مِنْهَا شَيْئًا فَاِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ	ہاتھ میں ہیں تو نے اس میں سے کوئی چیز بھی
بِنَا فَكُنْ اَنْتَ وَلِيَّنَا وَاهْدِنَا	ہمارے اختیار میں نہیں دی جب واقعہ یہ ہے تو
اِلٰى سَوَاءِ السَّبِيْلِ۔	پھر تو ہی ہمارا کارساز رہ اور ہم کو سیدھے راستے پر لگا۔

تجربہ کاروں کا کہنا ہے کہ سفر میں سامان کم سے کم اور بس ضروری ضروری چیزیں لیجیے، زیادہ سامان کی وجہ سے بہت سی نعمتوں سے محروم ہونا پڑتا ہے، آزادی نہیں رہتی اور بعض اوقات غلط کام کرنے پڑتے ہیں، جن کا ہمیشہ افسوس رہتا ہے۔

لیجیے دیکھتے دیکھتے چلنے کا وقت آگیا، مگر وہ وقت نہیں ہے، ہر سفر کا آغاز دو ۲ رکعت نفل اور دعاء سفر سے مسنون ہے، نہ کہ اتنا طویل، مبارک اور نازک سفر جس میں ہر آن خطرہ پونجی کے ڈوب جانے اور قلب و نیت کے

قزّاقوں کی رہزنی کا ہے۔ ساری عمر کا خشوع اگر اس ایک نماز میں اور زندگی بھر کا تضرّع اگر آج کی دعا میں آجائے تو بڑی بات نہیں۔ جسم و جان، قلب و ایمان، برّ و بحر کے خطرے اس ایک سفر میں جمع ہیں۔ ہار جیت کا سفر ہے۔ ہار بھی ایسی کہ اس کے برابر کوئی ہار نہیں۔ اللہ کے گھر جائے اور اپنی شامتِ اعمال سے خالی ہاتھ آئے بلکہ گناہوں کی گٹھری الٹی پیٹھ پر لاد کر لائے ؎

تہمتیں چند اپنے ذمّے دھر چلے
کس لیے آئے تھے اور کیا کر چلے

اور جیت بھی ایسی کہ کوئی فتح اور کامرانی اس کے برابر نہیں۔ گناہوں سے پاک دھویا دُھلایا جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔

من حج للہ فلم یرفث	جس شخص نے محض اللہ کی خوشنودی کے
ولم یفسق رجع کیوم	لیے حج کیا اور بیحیائی اور گناہوں سے
ولدتہ امّہٗ۔	محفوظ رہا تو وہ پاک ہو کر ایسا ہوتا ہے
(بخاری ومسلم)	جیسا کہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے روز تھا۔

وہ سفر جس کا انعام جنت ہے۔

الحج المبرور لیس لہٗ الجزاء	حجِ مقبول کی جزاء جنّت ہی ہے۔
الا الجنۃ۔ (بخاری ومسلم)	

اِس سفر کے لیے جو کچھ بھی مانگا جائے اور جس طرح دِل کھول کر مانگا

جائے کم ہے۔ مگر ناتجربہ کار عقل، پریشان دماغ، مضطرب دل، تھکا ہوا جسم، وقت تھوڑا کہنا بہت۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ غیر ضروری باتیں زبان پر آجائیں اور ضروری باتیں رہ جائیں۔ لیکن قربان رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلّم کے کہ جیسے ہر دینی و دنیاوی ضرورت کے لیے جچی تلی دعائیں اور شعبۂ زندگی کے لیے منتخب دعائیہ الفاظ اُمّت کو عطا کر گئے۔ سفر کی بھی ایسی مکمّل دُعا تعلیم کر گئے جس میں نہ کسی اضافہ کی ضرورت ہے نہ کسی ترمیم کی، اور صدہا احسانات کے ساتھ اس احسان کا بھی استحضار کر کے محبت و عظمت کے ساتھ درود شریف پڑھ کر یہ مسنون و ماثور الفاظ کہے:

اَللّٰھُمَّ اِنّا نَسْأَلُكَ فِي سَفَرِنَا ھٰذَا	اے اللہ ہم تجھ سے اس سفر میں نیکی اور
البِرَّ والتقوىٰ ومن العمل ما	احتیاط کے طالب ہیں اور ایسے اعمال کے
تحب وترضىٰ اَللّٰھُمَّ ھوِّن علينا	جو تجھے پسند ہوں، اے اللہ ہمارے سفر کو
سفرنا ھٰذا واطوِ عنّا بعدہ	ہمارے لیے ہلکا اور آسان بنا دے اور
اَللّٰھُمَّ انت الصاحب فِي السفر	اس کی مُسافت کو لپیٹ دے، اے اللہ تو
وَالخليفة فِي الاهل اَللّٰھُمَّ	سفر میں ہمارا ساتھی ہے اور گھر میں
اِنّي اعوذ بك من وعثاء السفر	بھی ہمارے پیچھے نگراں اور خیال رکھنے
وكآبة المنظر وسوء المنقلب	والا ہے، اے اللہ میں تجھ سے سفر کی
فِي المال والاھل	کُلفت اور ایسی چیز سے پناہ چاہتا ہوں

والولد.	جس کے دیکھنے سے کوفت ہو اور مال و
(مسلم)	اہل وعیال کی طرف بُری واپسی ہو۔

گھر سے رخصت ہوئے ۔ سب کو اللہ کے حوالے کیا ، اور اللہ کے حفظ وامان میں دیا۔ رخصت کرنے والوں نے بھی مسنون الفاظ میں اللہ کے گھر کے مسافر کو اللہ کی ودیعت و حفاظت میں دیا اور کہا:

استودِعُ اللّٰہ دینك وامانتك	میں اللہ کی امانت میں دیتا ہوں تمھارا
وخواتیم اعمالك۔	دین اور تمھاری امانت اور تمھارے اعمال کا انجام

جس وقت گھر سے نکلے سفر شروع ہو گیا اور زبان پر یہ مسنون الفاظ آ گئے جو بالکل مناسبِ حال ہیں:

اَللّٰھُمَّ بِكَ انتشرت والیك	اے اللہ میں تیرے سہارے چل کھڑا ہوا
توجهت وبك اعتصمت و	ہوں اور تیری طرف رُخ کر دیا ہے اور تجھے مضبوط
عَلَیكَ توكلت انت ثقتی	پکڑ لیا ہے اور تجھ پر بھروسہ کیا ہے تو ہی
وانت رجائي اكفني ما اهمني	میرا سہارا ہے تو ہی میرا آسرا ہے۔ جس
ومالا اهتم به وما انت	چیز کی مجھے فکر ہے اور جس کی مجھے فکر
اعلم به منی عز جارك	نہیں ، اور جس کو تو زیادہ جانتا ہے،
وجل ثناؤك ولا الٰه غیرك	سب کا تو خود ہی انتظام فرما دے، تیرے
زودنی التقوی واغفرلي	جوار میں آنے والا غالب و محفوظ ہے۔

ذنوبي ووجهني للخير اينما توجهت:	تیری مدح وتوصیف بلند ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تقویٰ کو میرا زادِ راہ بنا میرے گناہوں کو معاف فرما، اور جس طرف رُخ کروں خیر ہی کی طرف میرا رُخ کر۔

گاڑی آگئی، مسافروں کو ایذا دیئے بغیر سوار ہوئے، سامان قرینہ سے رکھا، بقدرِ ضرورت جگہ گھیری وضو اور نماز کا انتظام کرلیا، سفر کے اس ہنگامہ اور شور وغل میں بھی اپنے سفر کی عظمت، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف توجہ اور اپنی بے بسی کا احساس قائم ہے، لوگوں سے محبت کے ساتھ رخصت ہوئے اور سفر کی مقبولیت اور کامیابی کے لیے خود اُن سے دعاء کی درخواست کی۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان سادہ دل بندوں میں کتنے مقبول بارگاہ ہوں گے، اور کتنوں کے جسم یہاں اور دل وہاں ہوں گے، اور کتنے بہت سے حجاج سے افضل ہوں گے۔

گاڑی روانہ ہوئی۔ اپنے ہم سفروں سے تعارف حاصل ہوا۔ انکی خدمت میں عرض کیا گیا کہ سفر کی سنت اور حکم ہے کہ ساتھیوں میں سے ایک کو سفر کا امیر بنالیا جائے۔ سب نے اتفاق کیا اور ایک صاحبِ علم اور منتظم رفیق کو امیر بنایا، انھوں نے سب کی خدمت و راحت کا عزم کیا۔ حج کے رفیقوں کو مخاطب کر کے اس سفر کی عظمت اور اس کے آداب وحقوق

حقوق مختصر طریقے پر بیان کیے۔ نماز کا وقت آیا ساتھیوں کو نماز کی طرف متوجہ کیا اور اعلان کیا کہ انشا اللہ نماز جماعت کے ساتھ ہوگی۔ گاڑی جنکشن پر پہونچنے والی ہے۔ گاڑی ٹھہری، اپنی جگہ کے محفوظ رہنے کا انتظام کیا، سب نے وضو کیا، پلیٹ فارم پر اذان ہوئی، امام نے وقت کا خیال کرتے ہوئے مختصر نماز پڑھائی۔ لوگ اپنی اپنی جگہ آ گئے۔ موقع ہوا تو سنّتیں اور نوافل کھڑے بیٹھے پڑھ لیے۔ اگلی نماز کے وقت اُتر کر نماز پڑھنے کی مہلت نہ تھی۔ گاڑی کے اندر ہی جماعت کا اہتمام ہوا۔ مسافروں سے کہہ سُن کر جگہ کی اور فرض کھڑے ہو کر ادا کیے۔ بعض نمازوں میں سب نے ایک ہی جماعت سے نماز پڑھی۔ بعض اوقات دو دو تین تین نے مل کر ایک ایک جماعت کر لی۔ رات کو سونے میں، اُترنے اور چڑھنے میں کسی چیز میں بھی کش مکش کی نوبت نہیں پیش آئی۔ لَاجِدَالَ فِي الْحَجِّ (حج میں لڑائی جھگڑا نہیں) کی مشق یہیں سے شروع ہو گئی۔ الحمد للہ رفیقوں کو اعتماد اور مسافروں کو اُنس ہو گیا۔ اس سے خود کو بھی راحت ملی اور دوسروں کو بھی عافیت ہوئی، اور زیادہ خرچ کرنے سے بھی جو آرام نہ ملتا وہ ایثار و خدمت سے ملا۔ کم خرچ بالانشین اسی کو کہتے ہیں۔

راستہ میں دین ہی کا تذکرہ اور دین ہی کا مشغلہ رہا۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کی "فضائلِ حج" مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کی ـــــ

"زیارۃ الحرمین" مفتی صاحبؒ مظاہر العلوم کی "معلّم الحجّاج" مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کا "سفرنامۂ حجاز" شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی "جذب القلوب الٰی دیار المحبوب" ساتھ ہے۔ راستہ میں خواہ مخواہ کی وقت گزاری اور لایعنی گفتگو کی نوبت ہی نہیں آئی۔ مولوی احتشام الحسن کاندھلوی کی "رفیقِ حج" کے متعدّد نسخے ساتھ ہیں۔ ساتھیوں کو دیدیئے کہ ایک دوسرے کو پڑھ کر سنائیں۔

بات کرتے کرتے آخری اسٹیشن آگیا۔ مسافر اترے، سامان اترا، سب کو اتار کر اور سب کچھ دیکھ بھال کر امیر صاحب اترے۔ قافلہ مسافر خانے پہونچا۔ سب اپنی اپنی جگہ مقیم ہوئے۔ مستورات کے لیے پردے کا پورا انتظام کیا۔ ابھی جہاز کی روانگی میں ایک ہفتہ باقی ہے۔ کثر ضروریاتِ سفر ہمراہ ہیں۔ پاسپورٹ بن چکا ہے اگر نہیں بنا تو آسانی سے بن جائے گا۔ ٹکٹ کا مرحلہ بھی مشکل نہیں۔ سب کی صلاح ہوئی کہ یہ ہفتہ اپنی تیاری اور حجّاج کی خدمت گزاری میں صرف ہو۔ سُنا ہے کہ جس نوع کی خدمت مسلمانوں کی کی جائے اسی نوع کی مدد اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ جو مسلمان روٹی کھلائے گا اللہ اُس کی روٹی کا انتظام فرمائے گا۔ جس کو مسلمانوں کی نماز کی فکر ہوگی، اللہ اس کی نماز کی حفاظت اور اس کی ترقی کا انتظام فرمائے گا۔ اس لیے اگر حجّاج کے حج کی صحّت اور اس کی روح کی فکر کی جائے گی تو ہمیں بھی اپنے حج کی مقبولیت اور اس کی روحانیت کی امّید کرنی چاہیے۔ اللہ فی عون العبد ما

کان العبد فی عون اخیہ (جب تک ایک شخص اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں رہتا ہے) قرار یہ پایا کہ حجاج کا دائرہ بہت وسیع ہے کسی ایک کے بس کی بات نہیں۔ اس لیے جماعتیں بنائی جائیں اور اجتماعی طور پر نظم و انتظام سے کام شروع کیا جائے۔ خوش قسمتی سے تبلیغی جماعت کے افراد موجود ہیں۔ جو حجاج کی دینی ضروریات کی تکمیل اور حج کے مسائل و فضائل لوگوں تک پہونچانے کی سعی کرتے ہیں۔ ان کی جماعت کو تلاش کر کے ان میں شرکت کی جو معلومات کتابوں کے مطالعہ سے مشکل سے حاصل ہوتے ہیں وہ اُن کے ذریعہ اُن کے تجربوں سے آسانی سے حاصل ہو گئے۔ مسافر خانہ اور حاجی کیمپ میں حجاج کی حالت دیکھ کر سخت قلق ہوتا ہے۔ حج کا سا عظیم الشان اور مقدس سفر جو سراسر عشق و محبت کی تکمیل اور ایمان و تقویٰ کی تصویر ہے اور حالت یہ ہے کہ فرض نمازوں تک کا اہتمام نہیں۔ یہ مسافر خانہ میں مسجد بنی ہوئی ہے، جہاں پانچ وقت باآوازِ بلند اذانیں ہوتی ہیں، وضو اور غسل کا انتظام ہے، مگر ذرا ذرا سی حقیقی و خیالی ضرورتوں کی وجہ سے بے تکلف جماعت چھوڑ دی جاتی ہے۔ اس سے زیادہ تکلیف دہ منظر یہ ہے کہ بغیر کسی مشعوریت کے بھی بیسیوں آدمی نمازیں قضا کرتے ہیں۔ وقت مقرر ہوا، جماعتیں بنیں، حجاج کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا۔ سامان کی تیاری میں سخت انہماک ہے۔ مگر اصل تیاری سے پوری غفلت۔ ضرورت کی کوئی چیز جس کی ممکن ہے

پورے سفر میں ضرورت نہ ہو ارہ نہ جائے۔ مگر دین کے مبادی اور ارکان کی طرف بھی توجہ نہیں! سب سے اہم مسئلہ زندگی کی سب سے بڑی ضرورت اور حج کی بنیاد، مگر خدا معاف کرے ہمارے دوستوں کو بات سننے کی بھی فرصت نہیں۔ بہرحال خوشامد درآمد سے متوجہ ہوئے، دیکھ کر عقل حیران ہو گئی کہ کئی صاحبوں کا کلمہ تک درست نہیں اور مفہوم سے تو بہت کم آشنا۔ جماعتوں کی حاضری کی طرف توجہ دلائی اور عرض کیا کہ مسافر خانہ کی مسجد میں فلاں وقت حج کے متعلق روزانہ کچھ عرض کیا جاتا رہے گا، آپ ضرور تشریف لائیں۔ یہ تیاری ہر تیاری پر مقدم ہے۔ ہمارے امیر صاحب نے اور دو ایک اور عالموں نے صبح اور عشاء کے بعد کچھ بیان کرنا بھی شروع کیا اور معلوم ہوا کہ حجاج میں احساس و توجہ کی ایک لہر پیدا ہوئی اور بہت سے لوگ گویا سوتے سوتے چونک پڑے۔ "الفرقان" میں کام کا جو نقشہ دیا گیا ہے[1] اس کے مطابق تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا گیا اور الحمدللہ بہت موثر و مفید ثابت ہوا۔

لیجیے جہاز کی روانگی کا دن آپہونچا۔ آج بڑے ہنگامے کا دن ہے۔ میدانِ حشر کا ایک نمونہ ہے، نفسی نفسی کا عالم ہے، ہر ایک کو اس کی فکر ہے

---

[1] جس سال یہ مضمون لکھا گیا تھا اسی سال ایک دو مہینے پہلے حجاج میں تعلیمی و تبلیغی کام کا ایک نقشہ اور پروگرام ماہنامہ الفرقان میں لکھا گیا تھا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔

کہ اس کو اچھی سے اچھی جگہ مل جائے اور سامان محفوظ رہے۔ قانونی مراحل سب طے ہوئے، سامان جہاز پر پہونچا، اب سوائے اللہ پر بھروسہ کے کوئی چارہ نہیں۔ جہاز پر داخلہ شروع ہوگیا اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے یہ دن دکھایا۔ خدا وہ دن بھی دکھائے کہ سرزمینِ مقدس پر اترنا ہو۔ سفرِ عشق میں سامانِ راحت کا کیا سوال۔ پھر بھی اللہ کے احسان کے صدقے کہ ہم ضعیفوں کو امتحان میں نہیں ڈالا اور راحت و عافیت کی جگہ عطا فرمائی۔ لیجیے وہ سیٹی ہوئی، وہ لنگر اٹھا، وہ ہاتھ سلام کے لیے اٹھے، وہ رومال وداع کے لیے ہلے، ان سب کو سب نے دیکھا مگر بہتے ہوئے آنسوؤں کو کس نے دیکھا؟ اور گلوگیر آواز کو کس نے سنا؟ جانے والو! حج و زیارت تم کو مبارک ہو۔ مومن کی معراج تم کو مبارک ہو، ہم مہجوروں کو نہ بھولنا ؎

"ہمیں بھی یاد رکھنا ذکر جب دربار میں آئے"

جہاز روانہ ہوا۔ سامان قاعدے سے لگایا۔ نئی جگہ کا جائزہ لیا، اب بڑی فکر اس کی ہے کہ نمازوں کا انتظام کیا ہوگا۔ یہ بارہ چودہ دن جن سے زیادہ فرصت کے اوقات برسوں میں نصیب نہ ہوئے ہوں گے کس طرح گزریں گے۔ تیاری کی ایک مہلت اور عمر بھر کی غفلتوں کی تلافی کا ایک موقع ملا ہے۔ شامتِ اعمال سے یہ بھی کہیں ضائع نہ ہو جائے۔ مشورہ کیا، چل پھر کر دیکھا۔ معلوم ہوا کہ جہاز کی بالائی منزل پر نماز کے لیے ایک وسیع جگہ ہے۔ سمتِ قبلہ

تبلانے کے لیے رجو جہاز پر ایک مشکل مسئلہ ہے) جہاز کی طرف سے انتظام ہے۔ چنانچہ لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کیا گیا کہ اذانیں انشاءاللہ وقت پر ہوں گی۔ حاجی صاحبان نماز کے لیے اذان کا انتظار کریں۔ ورنہ اس کا خطرہ ہے کہ بے وقت نماز پڑھ لی جائے، بالائی منزل پر نماز باجماعت ہوگی۔ قبلہ تبلانے کے لیے جہاز کی طرف سے انتظام ہوگا۔ بغیر تحقیق کے نماز نہ پڑھی جائے۔ الحمدللہ جماعت شروع ہوگئی، امام و مؤذن کا تعین ہوگیا۔

خیال ہوا کہ لاؤڈ اسپیکر سے فائدہ اٹھایا جائے اور حجاج کو ان کی قیام گاہوں پر مفید اور ضروری باتیں پہونچائی جائیں۔ چنانچہ ایسے اوقات میں جو کھانے اور ناشتہ اور سونے سے فراغت کے ہیں، تقاریر کا انتظام کیا گیا۔ کوشش یہ کی گئی کہ دین کے عام احساس اور حج کی عظمت اور اس کے لیے تیاری کا خصوصی خیال پیدا کرنے والی اور دینی جذبات اور احساس ذمہ داری کو بیدار کرنے والی تقریریں کی جائیں۔ چنانچہ یہ سلسلہ شروع ہوا اور ہر مسافر نے بیٹھے بیٹھے، لیٹے لیٹے، اپنی اپنی جگہ اس سے فائدہ اٹھایا۔ مستورات بھی مستفید ہوئیں۔

جہاز کے دن کامل فراغت و فرصت کے ہیں۔ زندگی کی سب سے بڑی مصروفیت نقل و حرکت تھی۔ مکان، دکان، کارخانہ، دفتر، سڑک، باغ، محلہ، شہر یہاں سب کچھ نہیں۔ نیچے نیلا سمندر، اوپر نیلا آسمان، ان دونوں کے

درمیان لکڑی کے ایک تختہ پر انسانوں کی یہ بستی۔ کوئی کہیں آنا جانا چاہے بھی تو کہاں جائے۔ گھوم پھر کر وہی ایک محلہ، وہی لکڑی اور لوہے کا چھوٹا سا تیرتا ہوا گاؤں۔ نقل وحرکت کی جو کچھ عمر بھر کی عادت اور ہوس تھی "چکر" اور دردِ سر نے اس کو بھی پابند کر دیا۔ گویا سارے شوقین اور بدشوق طالبِ علم امتحان سے پہلے مطالعہ کے ایک کمرے میں بند کر دیئے گئے۔ حیف ہے اگر اب بھی امتحان کی تیاری نہ کریں! خیال ہوا کہ جماعتوں کے گشت، انفرادی تبلیغ، اور تعلیم و تلقین کا اس سے بہتر وقت اور مقام نہیں ہو سکتا۔ ناشتہ اور چائے کے بعد مسجد میں تعلیم کا اعلان ہوا اور عصر کے بعد گشت کا نظام بنا۔ یہاں بھی وہی انکشاف ہوا جو پہلے ہوا تھا۔ دین کے مبادی و ارکان سے ناواقفیت، حج کے حقوق و آداب سے غفلت۔ آخر مسلمانوں کی یہ آبادی سمندر کے کسی جزیرے سے تو نہیں آئی۔ اسی ہندوستان (یا پاکستان) سے تو آئی ہے جہاں جہالت و غفلت عام ہے حجاج مسلمانوں کی عام آبادی ہی کا جز ہیں ان سے کسی چیز میں ممتاز اور عام حالات سے مستثنیٰ کس طرح ہو سکتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ ان کا بڑا حصہ علمی و دماغی حیثیت سے پسماندہ اور غیر تعلیم یافتہ طبقہ سے تعلق رکھتا ہے۔

حج کو جہاد کی ایک قسم کہا گیا ہے اور افضل قسم "افضل الجہاد حج مبرور"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "شدوا الرحال فی الحج فانہ احد الجہادین"

دحج میں اپنے کجاوے مضبوط کسو اس لیے کہ وہ بھی ایک جہاد ہے) جہاز کا سفر اس سفرِ جہاد کا ایک مستقل شعبہ ہے۔ دردِ سر، چکر، امتلائی کیفیت اور اس میں نمازوں کی ادائی اچھا خاصہ جہاد ہے۔ اس میں کامیابی بغیر دینی تربیت اور پختہ عزیمت کے ممکن نہیں۔ جو لوگ بغیر کسی عذر کے بھی نماز کے پابند نہیں ان سے ایسی آزمائشوں کے ساتھ نماز و جماعت کا اہتمام بہت مشکل ہے۔ اس کے لیے بڑی ایمانی قوت کی ضرورت ہے اور اس ایمانی قوت کے پیدا کرنے کا ہمارے موجودہ نظامِ سفر میں کوئی اہتمام نہیں۔ الحمد للہ وعظ و تبلیغ سے کسی حد تک نفع ہوا اور بہت سے لوگوں نے نمازوں کا اہتمام رکھا۔ جو لوگ دردِ سر اور امتلائی کیفیت میں مبتلا تھے اور نقل و حرکت سے معذور تھے وہ اپنی اپنی جگہ پڑے پڑے بھی اللہ کا ذکر زبان اور دل سے کرتے رہے۔

حج کے دو مستقل شعبے ہیں۔ ایک ضوابط و قوانین کا جس میں مومن کی اطاعت و انقیاد کا امتحان اور مظاہرہ ہے ایک محبّت و عشق کا جس میں اس کی عاشقانہ کیفیت اور والہانہ محبّت کا ظہور مطلوب ہے۔ اور سچ پوچھیے تو حج کی روح اور حضرت ابراہیمؑ کی میراث یہی عشق و محبّت ہے۔ حج میں انھیں دبی ہوئی چنگاریوں کا ابھارنا اور اسی محبّت کی تربیت اور ترقی مقصود ہے۔ بعض طبیعتوں کے خمیر میں عشق و محبّت داخل ہوتی ہے ان کو حج سے فطری مناسبت ہوتی ہے اس کے مشکلات ان کے

لیے آسان اور اُس کے سب مناسک و ارکان ان کی روح کی غذا اور اُنکے درد کی دوا ہوتے ہیں اگر یہ محبّت و عشق فطری نہیں اور طبیعت خشک اور قانونی محض واقع ہوئی ہے تو مناسب ہے کہ اکتسابی طریقہ سے کسی نہ کسی درجہ میں محبّت کی حرارت پیدا کی جائے۔ اس لیے کہ اس کے بغیر بعض اوقات حج ایک قالبِ بے روح ہو کر رہ جاتا ہے۔ محبّت میں اکتساب کو اچھا خاصا دخل ہے اس کے دو آزمودہ طریقے ہیں، ایک محبوب کے جمال و کمال اور اس کے احسانات و کمالات کا مطالعہ و مراقبہ دوسرے اہلِ محبّت کی صحبت اور اگر وہ میسّر نہ ہو تو اُن کے عاشقانہ واقعات۔ حج سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے یہ دونوں راستے ممکن ہیں۔ پہلے کا ذریعہ تلاوت اور ذکر و تفکّر ہے دوسرے کا ذریعہ عُشّاق و محبّین اور شہیدانِ محبّت کے پُراثر واقعات ہیں، جس میں صدیاں گذر جانے کے بعد بھی تازگی اور گرمی باقی ہے اور اب بھی وہ دلوں کی سرد انگیٹھیاں گرما دیتے اور بجھتے ہوئے دلوں کو تڑپا دیتے ہیں۔ شیخ دہلوی کی "جذب القلوب" اور شیخ الحدیث سہارنپوری کی "فضائل حج" نیز حضرت جامی و خسرو کی عاشقانہ غزلیں اور نعتیہ کلام اس مقصد کے لیے بہت مفید ہیں۔

اگر محبّت کی یہ گرمی اور سوز، فطری یا کسی طور پر موجود ہے تو روز بروز منزل کی کشش بڑھے گی۔ جب اس سرزمین کی مقدس عِلمی پہاڑیاں اور

تپتی ہوئی ریت دور سے کہیں کہیں دکھائی دے گی جس میں کوئی مادّی کشش اور کوئی ظاہری حُسن نہیں۔ تو سو جان سے اُس پر قربان ہو جانے کا جی چاہے گا اور اس کے ذرّہ ذرّہ میں دلآویزی اور محبوبیت معلوم ہو گی۔

لیجیے اعلان ہو رہا ہے کہ فلاں وقت ہمارا جہاز ہندوستانیوں کے میقات یلملم کے محاذات میں پہونچے گا۔ حجّاج احرام باندھنے کے لیے تیار ہیں۔ آج کئی دن سے تلبیہ کی مشق اور لبیّک لبیّک کی صدا گونج رہی ہے، دیکھتے دیکھتے وہ وقت آ گیا، لوگ پہلے سے غسل کیے ہوئے نماز پڑھ کر احرام کی دو بے سلی چادریں ایک اوپر ایک نیچے باندھے تیار تھے۔ بعض کے سر پہلے سے کھُلے اور بعض کے ڈھکے تھے کہ ایک دم سے سیٹی بجی، سر کھُل گئے اور ہر طرف سے صدا بلند ہوئی۔ لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ لَا شَرِیْكَ لَكَ۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنھوں نے پہلے مدینۂ طیبّہ کا عزم کیا ہے انھوں نے ابھی احرام نہیں باندھا، وہ مدینۂ طیبّہ سے چل کر "ذوالحلیفہ" سے جس کو آج کل "بیرِ علی" کہتے ہیں، احرام باندھیں گے جو اہلِ مدینہ کا میقات ہے اور جہاں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا تھا۔

وقت گذرتے دیر نہیں لگتی، اب جدّہ پہونچنے کی باتیں ہونے لگیں۔ تیر کی طرح ایک کشتی آئی، ارکاٹی عرب جہاز پر چڑھا اور حجّاج یوریین کپتان کی

ناخدائی سے نکل کر ایک باخدا جہازران کی رہنمائی میں آئے۔ بات کرتے کرتے جہاز لنگر انداز ہوا، ملّاحوں کا لشکر غریب حُجّاج پر ٹوٹ پڑا۔ حجّاج بادبانی کشتیوں اور موٹر لانچ کے ذریعہ جدّہ کے پلیٹ فارم یعنی عرب کی سرزمین پر پہونچ گئے[1]۔

هٰذا الذي كانت الايام تنتظر

فليوف لله اقوام بما نذروا

دل سینے سے نکلا جاتا ہے۔ کیا واقعی ہم عرب کی سرزمین پر ہیں؟ کیا ہم اب دیارِ محبوبؐ میں ہیں؟ کیا ہم مکہ معظمہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہیں؟

آنچہ ما بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب

سامان کا انتظام کیا اور اپنا پاسپورٹ دکھاتے اور معلّم کا نام بتاتے پلیٹ فارم سے باہر آئے۔ اللہ اللہ در و دیوار سے عاشقیت ٹپکتی ہے۔ مکہ معظمہ ابھی دور ہے اور مدینہ طیبہ اس سے بھی دور، جدّہ کوئی مقدّس مقام نہیں، نہ یہاں بیت اللہ نہ یہاں مسجدِ نبویؐ، نہ یہ حرمِ ابراہیمؑ نہ یہ حرمِ رسولؐ، لیکن محبّت کا آئین نرالا ہے۔ اس کو کیا کیجیے کہ جدّہ کی گلیوں سے بھی اُنس اور محبّت معلوم ہوتی ہے۔ غریب الدیار مسافر کو یہاں پہونچ کر بوئے اُنس آئی، برسوں کی محبّت نے اپنی پیاس بجھائی۔ محبّت، فلسفہ اور قانون سے آزاد ہے، یہاں کے

---

[1] یہ مضمون جس زمانے کا لکھا ہوا ہے اُس وقت تک جدّہ کا بحری پلیٹ فارم نہیں بنا تھا۔ اب بن گیا ہے اور جہاز پلیٹ فارم پر ہی اُتارتا ہے اور بہت بڑا پلیٹ فارم ہے۔

قُلی اور مزدور، سیاہ فام سوڈانی اور پیراہن دریدہ بدّو بھی دل کو اچھے لگتے ہیں۔ یہاں کے دکانداروں، خوانچہ فروشوں کی صدائیں، معصوم بچیّوں اور بچّوں کی گیتیں جن میں وہ حجاج سے سوال کرتے ہیں، دل میں اتری چلی جاتی ہیں۔ محبّت عقل کو تنقید کی فرصت ہی نہیں دیتی اور اچھا ہے کہ کچھ دن اس کو فرصت نہ دے۔

اچھّا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اُسے تنہا بھی چھوڑ دے

قافلہ کو پہلے مدینۂ طیبّہ جانا ہے۔ دو تین دن حکومت کے مطالبات ادا کرنے میں اور موٹر کے انتظار میں گزرے۔ لیجیے انتظار کی گھڑیاں تمام ہوئیں، موٹر آگئی، موٹر پر سوار ہوئے، سامان بار کیا، اچھا ہے کہ ایک عربی داں سمجھ دار ساتھی ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ جائے تاکہ نماز پڑھنے اور ضروریات کے لیے روکنے میں آسانی ہو۔ بہتر ہے کہ ڈرائیور کے ساتھ کچھ سلوک کر دیا جائے راستہ میں بڑی راحت ملے گی۔ موٹر روانہ ہوئی، راستہ میں دَرود شریف سے بہتر کیا وظیفہ اور مشغلہ ہے۔ نمازوں کے اوقات میں موٹر روکی گئی، اذان و جماعت کے ساتھ نماز ہوئی۔ منزلیں آئیں اور گزر گئیں۔ غربت کے مارے نیم برہنہ عرب بچے اور بچیّاں جن کے جسم پر کپڑوں کے تار اور دھجیاں تھیں۔ موٹر کا دور تک تعاقب کرتیں اور آخر تھک کر رہ جاتیں۔ ان کی غربت کو دیکھ کر کلیجہ منھ

کو آتا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان میں کتنے صحابہ کرامؓ کی اولاد اور عراق وشام کے فاتحین کی نسل میں سے ہیں۔ ایمانی اور مادّی حیثیت سے اگر کوئی شہزادہ کہلانے کا مستحق ہے تو ساری دنیا کے یہ شاہزادے اور دنیائے اسلام بلکہ عالمِ انسانیت کے محسنوں اور مخدوموں کی یہ اولاد ہیں۔ بے حقیقت سکوں کے ساتھ جو آپ اپنی حقیر خواہشات میں بے دریغ خرچ کرتے رہتے ہیں اگر آنسو کے چند قطرے بھی آپ بہادیں تو شاید گناہوں کا کچھ کفّارہ ہو جائے۔

نظر اُٹھا کر دیکھیے یہ دونوں پہاڑوں کی قطاریں ہیں۔ کیا عجب ہے کہ ناقۂ نبویؐ اسی راستہ سے گذری ہو۔ یہ فضا کی دلکشی یہ ہوا کی دلاویزی اسی وجہ سے ہے۔

الا ان وادی الجزعِ اضحیٰ ترابہ | من المسک فوراً و اعوادہ رندًا
وما ذاک الا ان ھندًا عشیۃ | تمشت وجرت فی جوانبہ بردًا

لیجیے مسیجدؔ[۲] آگئی، اب بیرعلی (ذوالحلیفہ) کی باری ہے۔

منزلِ دوست چوں شود نزدیک
آتشِ شوق تیز تر گردد!

---

[۱] جس زمانے میں یہ مضمون لکھا گیا تھا اس وقت غربت و افلاس کا یہی حال تھا۔ اب الحمدللہ اس کا نشان بھی باقی نہیں ہے۔ پورے حجاز میں اعلیٰ درجہ کی خوشحالی ہے۔

[۲] مدینہ کے راستہ میں ایک منزل کا نام ہے۔

درود شریف زبان پر جاری ہے۔ دل وفورِ شوق سے اُمنڈ رہا ہے ۔
عرب ڈرائیور حیران ہے کہ یہ عجمی کیا پڑھتا ہے اور کیوں روتا ہے ؟ کبھی عربی میں گنگناتا ہے، کبھی دوسری زبانوں میں شعر پڑھتا ہے۔
بھینی بھینی ہوا ہے اور ہلکی ہلکی چاندنی۔ جس قدر طیبہ قریب ہوتا جارہا ہے ہوا کی خنکی، پانی کی شیرینی اور ٹھنڈک، لیکن دل کی گرمی بڑھتی جارہی ہے ۔
سنیے کوئی کہہ رہا ہے۔

بادِ صبا جو آج بہت مشکبار ہے
شاید ہوا کے رُخ پہ کھلی زلفِ یار ہے

وہ ایک بار اِدھر سے گئے مگر اب تک
ہوائے رحمتِ پرور دگار آتی ہے

عجب کیا گر مہ و پروین مِرے نخچیر ہو جائیں
کہ بر فتراک صاحب دولتے بستم سرِ خود را
وہ دانائے سُبل ختم الرّسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا !

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

داغِ غلامیت کرد رُتبۂ خسرو بلند — میرِ ولایت شود بندہ کہ سلطان خرید

محمدِ عربی کابروئے ہر دو سرا است — کسے کہ خاک درش نیست خاک بسرِ او

لیجیے! ذوالحلیفہ آگیا، رات کا بقیہ حصّہ یہاں گزارنا ہے۔ غسل کیا خوشبو لگائی کچھ دیر دم لے لیجیے اور کمر سیدھی کر لیجیے۔ صبح ہوئی نماز پڑھی موٹر روانہ ہوئی۔ کیا جہاں سر کے بل آنا چاہیے تھا وہاں موٹر پر سوار ہو کر جائیں گے؟ ڈرائیور کے ساتھ بیٹھنا کام آیا "وادیٔ عقیق" میں "بیرِ عروہ" کے پاس اتار دے گا۔ سامان، مستورات اور ضعفاء سوار رہیں گے۔ بات کرتے کرتے بیرِ عروہ آگیا، بسم اللہ اتریئے، وہ دیکھیے جبلِ احد نظر آرہا ہے۔ ذلك جبل یحبنا ونحبہ' وہ سوادِ مدینہ کے درخت نظر آئے۔ کیا یہ وہی درخت ہیں جن کے متعلق شہیدی مرحوم نے کہا تھا؎

تمنّا ہے درختوں پہ ترے روضہ کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقیّد کا!

وہ گنبدِ خضرا نظر آیا، دل کو سنبھالیے اور قدم اٹھایئے۔ یہ لیجیے مدینہ میں داخل ہوئے۔ مسجد نبوی ﷺ کی دیوار کے نیچے نیچے بابِ مجیدی سے گذرتے ہوئے بابِ جبریل

پر جا کر رُکے۔ حاضری کے شکرانے میں کچھ صدقہ کیا اور اندر داخل ہوئے۔ پہلے محرابِ نبوی میں جا کر دوگانہ ادا کیا۔ گنہگار آنکھوں کو جگر کے پانی سے غسل دیا، وضو کرایا، پھر بارگاہِ نبوی پر حاضر ہوئے:

الصّلوٰۃ والسّلام علیک یارسول اللّٰہ الصّلوٰۃ والسّلام علیک یا نبی اللّٰہ الصّلوٰۃ والسّلام علیک یا حبیب اللّٰہ۔ الصّلوٰۃ والسّلام علیک یا صاحب الخُلق العظیم، الصّلوٰۃ والسّلام علیک یا رافع لواء الحمد یوم القیٰمۃ الصّلوٰۃ والسّلام علیک یا صاحب المقام المحمود، الصّلوٰۃ والسّلام علیک یا مُخرج النّاس باذن اللّٰہ من الظُّلمٰت الی النّور، الصّلوٰۃ والسّلام علیک یا مُخرج النّاس من عبادۃ العباد الی اللّٰہ وحدہٗ الصّلوٰۃ والسّلام علیک یا مُخرج النّاس جور الادیان الی عدل الاسلام

آپ پر صلوٰۃ وسلام اے اللہ کے رسول آپ پر صلوٰۃ وسلام اے اللہ کے نبی، آپ پر صلوٰۃ وسلام اے اللہ کے حبیب آپ پر صلوٰۃ وسلام اے صاحبِ خلقِ عظیم آپ پر صلوٰۃ وسلام اے قیامت کے دن لواء الحمد بلند کرنے والے آپ پر صلوٰۃ وسلام اے صاحبِ مقامِ محمود، آپ پر صلوٰۃ وسلام اے اللہ کے حکم سے لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لانے والے، آپ پر صلوٰۃ وسلام اے لوگوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کرنے والے، آپ پر صلوٰۃ وسلام اے لوگوں کو مذاہب کی ناانصافی سے نکال کر اسلام کے عدل وانصاف میں داخل کرنے والے اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا اور آخرت کی وسعت میں پہنچانے والے،

وَمِنْ ضِيْقِ الدُّنْيَا إِلٰى سَعَةِ الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ، الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ
يَا صَاحِبَ النِّعْمَةِ الْجَسِيْمَةِ، الصَّلٰوةُ
وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَاحِبَ الْمِنَّةِ
الْعَظِيْمَةِ، الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ
يَا أَمِيْنَ خَلْقِ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِ اللّٰهِ أَشْهَدُ
أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ وَأَنَّكَ
عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ
وَأَدَّيْتَ الْأَمَانَةَ وَنَصَحْتَ
الْأُمَّةَ وَجَاهَدْتَ فِي اللّٰهِ حَقَّ
جِهَادِهِ وَعَبَدْتَ اللّٰهَ حَتّٰى أَتَاكَ
الْيَقِيْنُ فَجَزَاكَ اللّٰهُ عَنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ
خَيْرَ مَا جَزٰى نَبِيًّا عَنْ أُمَّتِهِ وَرَسُوْلًا
عَنْ خَلْقِهِ اَللّٰهُمَّ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ
وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدَنِ
الَّذِيْ وَعَدْتَهُ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

آپ پر صلوٰۃ وسلام اے انسانیت کے سب
سے بڑے محسن، اے انسانوں پر سب سے
بڑھ کر شفیق، اے وہ جس کا اللہ کی مخلوق پر
اللہ کے بعد سب سے بڑا احسان ہے، میں
گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے
لائق نہیں اور یہ کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے
پیغمبر ہیں۔ آپ نے اللہ کا پیغام پوری طرح پہنچا دیا
امانت کا حق ادا کر دیا، امّت کی خیر خواہی میں کسر نہیں چھوڑی
اللہ کے راستے میں پوری پوری کوشش کی، اور وفات
تک اللہ کی عبادت میں مشغول رہے۔ اللہ آپ کو
اس اُمّت اور اپنی مخلوق کی طرف سے وہ بہترین
جزا دے جو کسی نبی اور رسول کو اُس کی امّت اور
اللہ کی مخلوق کی طرف سے ملی ہو اور اے اللہ تو
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قرب و بلندی اور وہ مقام
محمود عطا فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے
تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا ہے اے اللہ!
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور اُن کی آل پر اپنی رحمتیں نازل فرما

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى	جیسی تو نے ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم پر
آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْد	نازل فرمائیں تو حمید و مجید ہے اے اللہ! محمد صلی اللہ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ	علیہ وسلم پر اور آلِ محمد پر برکتیں نازل فرما جیسی تو نے
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ	ابراہیمؑ و آل ابراہیم پر نازل فرمائیں بیشک
اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ	تو حمید و مجید ہے۔

اس کے بعد دونوں رفیقوں اور وزیروں کو محبت کا خراج اور عقیدت کا نذرانہ سلام و دعا کی شکل میں ادا کیا اور قیام گاہ پر آئے۔

اب آپ ہیں اور مسجدِ نبویؐ، دل کا کوئی ارمان باقی نہ رہ جائے۔ درود شریف پڑھنے کا اس سے بہتر زمانہ اور اس سے بہتر مقام کون سا ہو سکتا ہے؟ اب بھی شہود و حضور نہ ہو تو کب ہوگا۔ جنت کی کیاری "روضۃ من ریاض الجنۃ" میں نمازیں پڑھیے، مگر دیکھیے کسی کو تکلیف نہ دیجیے۔ مزاحمت، جگہ کو اپنے لیے محفوظ کرنا، مسجد میں دوڑنا سب جگہ برا ہے، مگر جہاں سے یہ احکام نکلے اور دنیا میں پھیلے وہاں ان کی خلاف ورزی بہت ہی مکروہ ہے۔ یہاں آواز بلند نہ ہو۔ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔ یہاں دنیا کی باتیں نہ ہوں۔ مسجد کو گزرگاہ نہ بنایا جائے، بے وضو داخل ہونے سے حتی الامکان احتراز کیا جائے، خرید و فروخت سے اجتناب کیا جائے۔

دن میں جتنے مرتبہ جی چاہے حاضری دیجیے اور سلام عرض کیجیے، آپ

کے نصیب کھل گئے، اب کیوں کمی کیجیے۔ مگر ہر بار عظمت و ادب اور اشتیاق و محبت کے ساتھ دل کی ایک حالت نہیں رہتی۔ وہ بھی سوتا اور جاگتا ہے، جاگے تو سمجھئے کہ نصیب جاگے۔ حاضری دیجیے اور عرض کیجیے۔

زچشم آستیں بردار گوہر را تماشا کن

کبھی اس کا جی چاہے گا کہ غلاموں کے وفود کے ساتھ ملا جلا حاضر ہو، عشاق کی آنکھوں سے جنھوں نے مہجوری کے دن کاٹے اور فراق کی راتیں بسر کیں جب آنسوؤں کا مینھ برسے گا تو شاید کوئی چھینٹا اس کو بھی تر کر جائے۔ رحمت کی ہوا جب چلے گی تو شاید کوئی جھونکا اس کو بھی لگ جائے۔ کبھی دبے پاؤں لوگوں کی نظر بچا کر تنہائی میں حاضر ہونے کا جی چاہے گا۔ اس باب میں دل کی فرمائشیں سب پوری کیجیے، کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ کبھی صرف آنسوؤں سے زبان کا کام لیجیے، کبھی ذوق و شوق کی زبان میں عرض کیجیے۔ درود شریف طویل بھی ہیں اور مختصر بھی جس میں جی لگے اور ذوق پیدا ہو اس کو اختیار کیجیے مگر اتنا خیال رکھیے کہ توحید کے حدود سے قدم باہر نہ جائے۔ آپ اس کے سامنے کھڑے ہیں جس کو ماشاء اللہ وشئت اور من یعصہما سننا گوارا نہ ہو سکا۔[1]

---

[1] حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ ماشاء اللہ وشئت (جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں) آپ نے ارشاد فرمایا اجعلتنی للہ ندا (کیا تم نے مجھے اللہ کے برابر کر دیا) اللہ وحدہ جو اللہ ہی چاہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا (باقی صفحہ ۲۶ پر)

سجدہ کا کیا ذکر۔[1] خدا کی صفات میں اس کی قدرت و تصرف میں اس کی مشیئت و اختیار میں شرکت کا شائبہ بھی نہ آنے پائیے۔ چاہیے جامی کا کلام پڑھیے چاہیے حالی کی دعا سنائیے۔ بس اتنا خیال رکھیے کہ آپ توحید کے سب سے بڑے اور آخری پیغمبر کے سامنے کھڑے ہیں جس کو شرک کا واہمہ بھی گوارا نہ تھا۔

اب ہم مدینۂ منورّہ میں مقیم ہیں۔ جہاں کی خاکروبی کو اولیا و سلاطین سعادت سمجھتے تھے وہاں آپ ہر وقت حاضر ہیں۔ ایک ایک دن اور ایک ایک گھڑی کو غنیمت سمجھئے۔ پانچوں نمازیں مسجدِ نبوی میں جماعت کے ساتھ پڑھیے، اگر کہیں باہر جائیے بھی تو ایسے وقت کہ کوئی جماعت فوت نہ ہو۔ تہجّد میں حاضر ہوئیے۔ یہ وقت سکون کا ہوتا ہے۔ لوگ روضۂ جنّت کی طرف دوڑتے ہیں، وہاں تو دوڑے اور بغیر کش مکش جگہ پانی مشکل ہے۔ آپ پہلے مواجہہ میں آئیے۔ اس وقت شاید آپ کو صرف پہرہ دار (عسکری) ہی ملے، اطمینان سے سلام عرض کیجیے

بقیہ ص ۲۵ سے : من یطع اللہ ورسولہٗ فقد رشد ومن یعصہما فقد غوی (جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرے گا راہِ راست پر رہے گا اور جو اِن دونوں کی نافرمانی کرے وہ گمراہ ہوا) حضورؐ نے اِس کو ناپسند کیا کہ اللہ تعالیٰ کا اور آپؐ کا ذکر اس طرح ایک لفظ میں کیا جائے جس سے دونوں کی برابری کا شبہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا، بئس خطیب القوم انت تم بہت بُرے مقرّر رہو۔

[1] حضورؐ نے حضرتِ قیس بن سعد صحابی سے فرمایا، "بھلا تم اگر میری قبر کے پاس سے گذرو تو سجدہ کرو گے؟" قیسؓ نے کہا، "نہیں"۔ فرمایا، "تو پھر مجھے زندگی میں بھی نہ کرو"۔ (ابوداؤد کتاب النکاح)

پھر جہاں جگہ ملے نوافل پڑھیے اور صبح کی نماز پڑھ کر اشراق سے فارغ ہو کر باہر آئیے۔

آئیے آج بقیع چلیں جو انبیا علیہم السلام کے مقابر کے بعد صدق و اخلاص کا سب سے بڑا مدفن ہے ؎

"دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز"

اگر آپ کی سیرت نبویؐ، صحابہ کرامؓ کے احوال و مراتب پر نظر ہے تو آپ کو وہاں صحیح احساس ہوگا۔ آپ ہر قدم پر رکیں گے اور ایک ایک خاک کے ڈھیر کو اپنے آنسوؤں سے سیراب کرنا چاہیں گے۔ یہاں چپّہ چپّہ پر ایمان و جہاد اور عشق و محبّت کی تاریخ کندہ ہے۔ ایک ایک ڈھیر میں اسلام کا خزانہ دفن ہے۔ اب بقیع میں داخل ہو گئے۔ مزوّر آپ کو سیدھا اہلبیتِ اطہار کے مقابر پر لے جائیگا۔ یہاں عمِّ رسول سیّدنا عباس بن عبد المطّلب، سیّدۃ نساء اہل الجنۃ فاطمہ بنت رسولؐ، سیّدنا حسن بن علیؓ، سیّدنا علی بن الحسین زین العابدین، سیّدنا محمد الباقر، سیّدنا جعفر الصادق آرام فرما ہیں۔ وہاں سے چلیے تو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت خدیجہ و میمونہ کے علاوہ تمام ازواج مطہرات پھر بناتِ طاہرات کے مقابر ملیں گے۔ پھر دار عقیل بن ابی طالب جہاں ابوسفیان بن الحارث بن عبد المطلب و عبد اللہ بن جعفر وغیرہ مدفون ہیں۔ پھر آپ کو ایک ٹکڑا ملے گا جس میں امام دار الہجرۃ سیّدنا مالک بن انس صاحب المذہب اور ان

کے استاد نافع آرام فرما ہیں، یہاں وہ عثمان بن مظعونؓ دفن ہیں جن کی پیشانی کو حضورؐ نے بوسہ دیا تھا، یہیں فرزندِ رسول سیّدنا ابراہیمؑ بن محمدؐ کی خواب گاہ ہے یہیں فقیہ صحابہ سیّدنا عبداللہ بن مسعودؓ، فاتح عراق سعد بن ابی وقاصؓ، سیّدنا سعد بن معاذؓ جن کی وفات پر عرشِ الٰہی جنبش میں آگیا تھا۔ سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور دوسرے اکابر صحابہ مدفون ہیں۔ وہاں سے آگے چلیے تو شمالی مغربی جانب دیوار سے متصّل وہ ستر شہدار صحابہ و اہلِ مدینہ جن کو واقعۂ حرّہ میں یزید کے دورِ حکومت میں ۶۳ھ میں شہید کیا گیا تھا مدفون ہیں۔ اس کے بعد بقیع کے بالکل کونہ پر مشرقی شمالی جانب مظلوم شہید الدار سیّدنا عثمان بن عفانؓ آرام فرما رہے ہیں۔ یہاں پر کچھ دیر ٹھہریئے اور محبّت و عظمت کے جو آنسو سیّدنا ابوبکرؓ و سیّدنا عمرؓ کے مرقد پر بہنے سے بچ رہے تھے اُن کو اِن کے تیسرے ساتھی کی خاک پر بہا دیجیے۔

آسماں اُس کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اِس گھر کی نگہبانی کرے

اس کے آگے سیدنا ابوسعید خدریؓ، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ فاطمہ بنت الاسد کے مقابر ہیں۔ سب کو سلام عرض کیجیے اور فاتحہ پڑھیے۔

پھر ایک لمحہ ٹھہر کر پورے بقیع پر عبرت و تفکّر کی نظر ڈالیے، اللہ اکبر کتنے سچّے تھے یہ اللہ کے بندے جو کچھ کہتے تھے کر دکھایا۔ یا رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ۔ مکّہ میں جس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا مدینہ میں اس کے

قدموں میں پڑے رہے۔

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

گنبدِ خضرا پر ایک نظر ڈالیے پھر مدینہ کے اس شہرِ خموشاں کو دیکھیے، صدق و اخلاص، استقامت و وفا کی اس سے زیادہ روشن مثال کیا ملے گی۔ آئیے بقیع میں اسلام کی خدمت کا عہد کریں اور اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں اسلام ہی کے راستہ پر زندہ رکھے اور اسی کے ساتھ وفاداری میں موت آئے۔ جنت البقیع کا یہی پیغام اور یہاں کا یہی سبق ہے۔

مدینۂ طیبہ کی زندگی کا ایک شعبہ اور ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایوں کی خدمت ہے۔ اصل خدمت تو یہ تھی کہ ان کی تعلیم کا انتظام کیا جاتا۔ ان کو فارغ البال بنانے کی تدبیریں کی جاتی۔ لیکن اس تھوڑے سے وقت میں یہ بھی بڑی سعادت ہے کہ جن لوگوں کو زمانہ کے انقلاب اور زندگی کی گرانی نے مفلوک الحال بنا دیا ہے، اپنا شرف سمجھ کر ان کی خدمت کی جائے، لیکن اس طرح کہ اصل محسن ان کو سمجھا جائے کہ وہ ہم کو اس سعادت کا موقع دیتے ہیں۔ یہ انصار و مہاجرین کی اولاد ہیں، آستانہ نبویؐ پر پڑے ہوئے ہیں۔ کوشش کی جائے کہ واقفین حال اور قدیم باشندوں کے ذریعہ ان لوگوں تک پہونچا جائے جن کی صفت قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے اَلَّذِيْ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُھُمْ بِسِیْمَا
ھُمْ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔

قُبا میں بھی حاضری دیجیے، یہ وہ بقعۂ نور ہے جو حضور اکرم صلعم کے قدوم سے مدینہ سے بھی پہلے مشرف ہوا۔ وہاں اس مسجد کی بنیاد رکھی گئی جس کو "لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ" کا خطاب ملا، محبّت و عظمت کے ساتھ حاضر ہوئیے اس زمین پر نماز پڑھیے، پیشانی اس خاک پر رکھیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَھَّرُوْا کے قدموں سے پامال ہوئی۔ اس فضا میں سانس لیجیے جس میں وہ انفاس قدسی اب بھی بسے ہوئے ہیں۔

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود　　سالہا سجدۂ اربابِ نظر خواہد بود

آج جبلِ اُحد اور اُس کے مشہد میں (جس کو یہاں عرف عام میں "سیّدنا حمزہ" کہتے ہیں) حاضری کی باری ہے۔ دو تین میل کی مسافت کیا، بات کرتے کرتے پہونچ گئے۔ یہ وہ زمین ہے جو اسلام کے سب سے قیمتی خون سے سیراب ہوئی۔ سب سے سچّے، سب سے اچھّے، سب سے اُونچے عشق و محبّت اور وفا کے واقعات جو دُنیا کی پوری تاریخ میں نہیں ملتے اسی سرزمین پر پیش آئے، سیّدُ الشہداء حمزہؓ کے رسول اللہ کی محبّت اور وفاداری میں یہیں اعضاء کاٹے گئے اور جگر کھایا گیا۔ عمارۃ بن زیاد نے قدموں پر آنکھیں مل مل کر یہیں جان دی۔ اَنس بن النضر کو جنّت کی خوشبو اسی پہاڑ کے دَرّے سے آئی اور ۸۰ سے اُوپر زخم

کھا کر یہیں سے رخصت ہوئے، دندان مبارک یہیں شہید ہوئے، سر پر زخم یہیں آئے، عشاق نے اپنے ہاتھوں اور پیٹھ کو محبوب کے لیے سپر یہیں بنایا۔ مکہ کا ناز پروردہ مصعب بن عمیرؓ یہیں ایک کمل میں شہید اور ایک کمل میں دفن ہوئے یہاں اسلام کے شیر سوتے ہیں۔ یہ پوری زمین شمع نبوت کے پروانوں کی خاک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق اور اسلام کے جانبازوں کی بستی ہے۔

یہ بلبلوں کا صبا مشہد مقدس ہے
قدم سنبھال کے رکھیو یہ تیرا باغ نہیں

یہاں کی فضا اور یہاں کے پہاڑ سے اب بھی موتوا علیٰ مامات علیہ رسول اللہؐ (اسی پر جان دیدو جس پر رسول اللہ دنیا سے گئے[1]) کی صدائے بازگشت آتی ہے۔ آیئے اسلام پر جینے اور جان دینے کا عہد پھر تازہ کریں۔ مدینۂ طیبہ کے ذرہ ذرہ کو محبت اور عقیدت کی نگاہ سے دیکھئے تنقید اور اعتراض کی زبان کے لیے دنیا پڑی ہوئی ہے۔ زندگی کے چند دن کانٹوں سے الگ پھولوں میں گزر جائیں تو کیا حرج ہے۔ پھر بھی اگر آپ کی نگاہ کہیں رکتی اور اٹکتی ہے تو غور سے کام لیجیے وہ

---

[1] یہ مقولہ حضرت انس بن النضرؓ کا ہے انھوں نے صحابہ کو میدان احد میں بیٹھا ہوا دیکھا پوچھا کیوں بیٹھے ہو؟۔ انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے اب لڑ کر کیا کریں گے؟ کہا تو پھر اسی پر تم بھی جان دیدو جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دی۔

ہماری کوتاہی کے سوا اور کیا ہے۔ ہم نے دین اور دنیا کی خیرات یہیں سے پائی ہے، آدمیت یہیں سے سیکھی، یہاں کی دستگیری نہ ہوتی تو ہم میں سے کتنے معاذاللہ بت خانہ، آتش کدہ اور کلیسا میں ہوتے لیکن ہم نے اس کا کیا حق ادا کیا۔ یہاں کے بچوں کی تعلیم و تربیت، یہاں کے لوگوں میں دین کی روح اور مقصد کا احساس پیدا کرنے کی کیا کوشش کی، فاصلہ کا عذر صحیح نہیں۔ ان کے بزرگوں نے سمندر اور صحرا عبور کر کے اور پہاڑوں کو طے کر کے دین کا پیغام ہم تک پہونچایا، ہم نے بھی اپنے فرض کا احساس کبھی کیا؟ ہم سمجھتے ہیں کہ دین کے احسان کا بدلہ ہم چند سکوں سے ادا کر دیں گے جو ہمارے حجاج اپنی کم نگاہی سے احسان سمجھ کر مدینہ کی گلیوں میں بانٹتے پھرتے ہیں۔

ہم صدیوں غافل رہے اور اب بھی ہمارے اہل استطاعت غافل ہیں۔ اس عرصہ میں جہالت، بے تربیتی اور یورپ کی تہذیب و تمدّن اور اس کی جاہلیت جس کا جال ساری دنیا میں پھیلا ہوا ہے یہاں بھی اپنا کام کرتی رہی۔ ان کے نوجوانوں کو متاثر کرتی رہی، بجائے خوبیوں اور محاسن کے تمام عالمِ اسلام کے حجّاج اور زائرین اپنی اپنی مقامی کمزوریاں اپنے ساتھ لاتے رہے اور یہاں چھوڑ کر جاتے رہے۔ دینی دعوت و تذکیر جو ایمانی زندگی کے لیے ہوا اور پانی کی حیثیت رکھتی ہے عرصہ سے مفقود، صحیح تعلیم و تربیت معدوم، ایسا ادب جو ایمان کو غذا اور دماغ کو روشنی عطا کرے نایاب، تزکیۂ نفس، تہذیب اخلاق اور روحانیت پیدا کرنے والے مرکز

غیر موجود، مختلف راستوں سے مریض و مدقوق ادب، فاسد و خام افکار و مضامین، اخبار و رسائل، ادب و اجتماع کے نام سے گھر گھر پھیلے ہوئے، زہر موجود، تریاق مفقود، اگر اب بھی اہلِ مدینہ میں دین کی اتنی عظمت و محبت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے تعلق، مدینہ سے اُنس، اخلاق میں لینت و تواضع، فرائض کی پابندی، شعائرِ اسلامی کا رواج ہے تو یہ محض جوارِ رسولؐ کی برکت، اس کی خاکِ پاک کی تاثیر اور اہلِ مدینہ کی فطری خوبی کی دلیل ہے۔

اب بھی اغنیا، اُمّت اور عالمِ اسلام کے اہلِ ثروت اس ضرورت کی طرف متوجہ نہیں کہ اہلِ حجاز کی صحیح تعلیم و تربیت اور ان میں دعوت و تذکیر کا انتظام کریں جو ان میں دینی روح، مقصدیت، بلند نظری اور اسلام کے داعی بننے کا جذبہ اور ولولہ پیدا کردے اور "معمارِ حرم" کو "تعمیرِ جہاں" کے لیے دوبارہ آمادہ کرے۔ اِنَّمَا اَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي اِلَى اللهِ۔

اگر آپ مدینہ طیبہ کے مضافات اور بدّوؤں کی ان عارضی نوآبادیوں میں چل پھر کر دیکھیں گے جو کھجوروں کی فصل میں اپنے پہاڑی مقامات سے اُتر کر چشموں اور باغات میں اپنے خیمے ڈال کر مقیم ہو جاتے ہیں، تو آپ کو ان کی دینی حالت کا احساس ہوگا، اور اگر ہمارا ضمیر ابھی مُردہ نہیں ہوا ہے تو ہم اپنی اس غفلت اور کوتاہی پر شرم محسوس کریں گے جو ہم نے اپنے "مرشد زادوں" کے حق میں صدیوں سے اختیار کر رکھی ہے۔ اگر آپ کا تھوڑا وقت نظم و انضباط کے ساتھ مدینہ کی آبادی اور

اس کے اطراف میں دینی دعوت واصلاح میں گذر جائے گا تو مدینۂ طیّبہ کی فضا سے انتفاع کی بڑی موثر صورت ہوگی۔ مگر ان کی عظمت اور ان کے مرتبہ کی رعایت ضروری ہے ان کو تحقیر کی نگاہ سے ہرگز نہ دیکھیں۔

مدینہ دعوت اسلامی کا معدن ہے اس دعوت کو اس معدن سے اخذ کیجیے اور اپنے اپنے ملک کے لیے یہ سوغات لے کر آئیے۔ کھجوریں، گلاب و پودینہ، خاکِ شفا محبت کی نگاہ میں سب کچھ ہیں مگر اس سرزمین کا اصلی تحفہ اور یہاں کی سب سے بڑی سوغات دعوت اور اسلام کے لیے جدّو جہد اور جان دے دینے کا عزم ہے۔
مدینہ، مسجد نبوی کے چپّہ چپّہ، بقیع شریف کے ذرّہ ذرّہ، اُحد کی ہر ہر کنکری سے یہی پیغام ملتا ہے۔ مدینہ آ کر کوئی یہ کیسے بھول سکتا ہے کہ اس شہر کی بنیاد ہی دعوت و جہاد پر پڑی تھی۔ یہاں وہی لوگ مکہ سے آکر آباد ہوئے تھے جن کے لیے مکہ میں سب کچھ تھا مگر دعوت و جہاد کے مواقع نہ تھے۔ یہاں کی آبادی دو ہی حصّوں پر منقسم تھی ایک وہ جس نے اپنا عہد پورا کر دیا اور اسلام کے راستہ میں جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی، کوئی خوف کوئی ترغیب اس کو اپنے مقصد سے باز نہ رکھ سکی۔ دوسرا وہ جس نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی لیکن اللہ کو ان سے ابھی اور کام لینا منظور تھا۔ ان کا جو وقت گزرتا حالت انتظار میں گزرتا، شہادت کے اشتیاق میں گزرتا۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا

یہی عالمِ اسلام کا حال ہونا چاہیے۔ یہاں بھی یا تو وہ ہونے چاہئیں جو اپنا کام پورا کر چکے یا وہ جو وقت کے منتظر ہیں۔ تیسری قسم اُن لوگوں کی ہے جو زندگی کے حریص اور دنیا پر راضی، موت سے خائف اور خدمت سے گریزاں ہوں معاش میں سرتاپا منہمک اور عارضی مشاغل میں ہمہ تن غرق ہوں ان کی گنجائش نہ مدینہ میں تھی نہ عالمِ اسلام میں ہونی چاہیے۔

مدینۂ طیبہ کے قیام میں درود شریف تلاوت قرآن اور اذکار سے جو وقت بچے اگر حدیث اور سیرت و شمائل کے مطالعہ میں گزرے تو بہت پر تاثیر اور بابرکت ہوگا۔ اسی پاک زمین پر یہ سب واقعات پیش آئے۔ یہاں ان واقعات کا مطالعہ اور کتبِ شمائل میں مشغولیت بہت کیف آور اور موجبِ ترقی ہوگی۔ اُردو خواں حضرات قاضی سلیمان صاحب منصور پوریؒ کی "رحمۃ للعالمین" اور شیخ الحدیث سہارنپوریؒ کی "خصائلِ نبویؐ" (ترجمہ شمائلِ ترمذی) کو حرزِ جاں بنائیں۔ اہلِ عربیت حافظ ابنِ قیمؒ کی "زاد المعاد" اور "شمائلِ ترمذی" سے اشتغال رکھیں۔ جن کو آثارِ مدینہ منوّرہ کی زیارت و تحقیق کا ذوق ہو ان کے لیے سمہودیؒ کی "وفاء الوفا باخبارِ دار المصطفٰیؐ" اور "آثار المدینۃ المنورہ" کا مطالعہ مفید ہوگا۔

لیجیے قیام کی مدت ختم ہونے کو آئی، کل کہتے ہیں کہ قافلے کا کوچ ہے ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

اب رہ رہ کر اُس قیام کے سلسلہ کی کوتاہیاں اور یہاں کے حقوق کی ادائی میں اپنی تقصیر دل میں چٹکیاں لیتی ہے۔ اب استغفار و ندامت کے سوا کیا چارہ ہے۔

آج کی رات مدینہ کی آخری رات ہے۔ ذرا سویرے مسجد میں آجائیے۔

تمتع من شمیم عرار نجد
فما بعد العشیة من عرار

لیکن دل کو ایک طرح کا سکون بھی حاصل ہے، آخر جا کہاں رہے ہیں ؟ اللہ کے رسولؐ کے شہر سے اللہ کے شہر کی طرف۔ اللہ کے اُس گھر سے جس کو محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ساتھیوں نے اپنے پاک ہاتھوں سے بنایا اللہ کے اس گھر کی طرف جس کو ان کے جدّ امجد ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے فرزند نے اپنے پاک ہاتھوں سے بنایا اور جا کیوں رہے ہیں ؟ اللہ کے حکم سے اور اللہ کے رسولؐ کی مرضی اور ہدایت سے یہ دُوری دُوری کب ہوئی ؟

نہ دوری دلیلِ صبوری بود
کہ بسیار دوری ضروری بود

آخری سلام عرض کیا، مسجدِ نبویؐ پر حسرت کی نگاہ ڈالی اور باہر نکلے۔ غسل کر کے احرام کی تیاری کر لی تھی۔ ذوالحلیفہ میں جانے موقع ملے نہ ملے،

موٹر پر بیٹھے، محبوب شہر پر محبت کی نگاہ ڈالتے چلے۔ اُحد کو ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے دیکھا۔ اب مدینہ سے باہر ہو گئے، جو لمحہ گذرتا ہے مدینہ دور اور مکہ قریب ہوتا جاتا ہے۔ الحمدللہ کہ ہم حرمین کے درمیان ہی ہیں۔

"صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم"

ذوالحلیفہ آگیا۔ مسجد میں دو رکعت نماز احرام کی نیت سے پڑھی، سلام پھیرتے ہی سر کھول دیا اور ہر طرف سے آواز آئی۔

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ	حاضر ہوں، اے اللہ حاضر ہوں تیرا
لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ	کوئی شریک نہیں، حاضر ہوں سب
اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ	تعریف سارا احسان تیرا ہی ہے
وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ	سلطنت تیری ہے، تیرا کوئی شریک نہیں

مستورات نے تمتع کی نیت کی ہم نے قران کی نیت کی۔ مستورات کے لیے چہرہ نہ ڈھکنے کی پابندی سخت ہے۔ اس لیے وہ عمرہ کر کے احرام کھول دیں گی۔ پھر آٹھ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھیں گی۔ ہم مردوں کے لیے کچھ زیادہ دشواری نہیں، اس لیے ہم نے عمرہ اور حج کا احرام ساتھ باندھا۔ ہم دس ذی الحجہ کو حج سے فارغ ہو کر ہی احرام کھولیں گے۔

ہمارے امیر حج صاحب نے حج کی ذمہ داری اور اس کے حقوق و آداب کے متعلق مختصر تقریر کی۔ تلبیہ لبیک لبیک کی کثرت، حج کی عظمت، عین رفاقت

باہمی الفت، ایثار و خدمت کی طرف خاص طور پر متوجہ کیا اور لبیک لبیک کی صدا کے ساتھ قافلہ روانہ ہوا۔

راستہ میں الحمدللہ نماز و جماعت کا پورا اہتمام رہا تلبیہ زبانوں پر جاری رہا۔ لڑائی جھگڑے کی نوبت ہی نہ آنے پائی۔ منزلوں پر ٹھہرتے، نمازیں پڑھتے، کھاتے پیتے، نہایت لطف و مسرّت اور محبّت و الفت کے ساتھ چلتے رہے۔

جدّہ آیا اور گذر گیا اب شہنشاہِ ذوالجلال کا شہر اور اُس کا گھر قریب ہے۔

باادب! ہوشیار!! مدینہ اگر مرکزِ جمال تھا تو یہ مرکزِ جلال ہے، مدینہ کے در و دیوار سے اگر محبوبیت ٹپکتی ہے تو یہاں کے در و دیوار سے عاشقی نمایاں ہے یہاں عاشقانہ آنے کی ضرورت ہے۔ برہنہ سر، کفن بردوش، پریشان حال، یہی یہاں کے آداب میں سے ہے۔

نظر اٹھائیے مکّہ سامنے نظر آرہا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِّیْ بِهَا قَرَارًا وَّ	اے اللہ مجھے اپنے شہر میں ٹھکانا عطا
ارْزُقْنِیْ فِیْهَا رِزْقًا حَلَالًا ؕ	فرما، اور مجھے اس میں رزقِ حلال نصیب فرما۔

لیجیے اب ہم اللہ کے شہر بلد اللہ الحرام البلد الامین میں داخل ہو گئے جس شہر کا نام تسبیح کی طرح بچپن سے ہر مسلمان کی زبان پر جاری رہتا ہے۔ جس کا اشتیاق جنت کی طرح ہر مومن کے دل میں رہتا ہے جو ہر مسلمان کا ایمانی اور دینی وطن ہے جس کی کشش ہر زمانے میں ہزاروں میل کی مسافت، پہاڑوں کی

چوٹیوں اور وادیوں کی گہرائیوں سے مشتاقانِ زیارت کو کھینچتی رہی۔ لیجیے مسجدِ حرام پر پہونچ گئے، باب السّلام سے داخل ہوئے۔ یہ سیاہ غلاف میں ملبوس مسجدِ حرام کے بیچوں بیچ بیت اللہ نظر آرہا ہے۔

اَللّٰهُمَّ زِدْ هٰذَا الْبَيْتَ تَشْرِيْفًا	اے اللہ اس گھر کی عزّت و عظمت
وَّ تَعْظِيْمًا وَّ تَكْرِيْمًا وَّ مَهَابَةً وَّ زِدْ	اور شرافت و ہیبت میں ترقی فرما اور
مَنْ شَرَّفَهٗ وَكَرَّمَهٗ مِمَّنْ حَجَّهٗ	حج و عمرہ ادا کرنے والوں میں بھی جو اس
اَوِ اعْتَمَرَهٗ تَشْرِيْفًا وَّ تَكْرِيْمًا وَّ تَعْظِيْمًا	کی تعظیم و تکریم کرے اُس کو بھی شرافت و
وَّ بِرًّا اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ	عظمت اور نیکی عطا فرما۔ اے اللہ تیرا ہی نام سلام
وَمِنْكَ السَّلَامُ فَحَيِّنَا	ہے اور سلامتی تیری ہی طرف سے
رَبَّنَا بِالسَّلَامِ ہ	ہے ہم پر سلامتی بھیج۔

یہی بیت اللہ ہے جس کی طرف ہزاروں میل کے فاصلہ سے ساری عمر نمازیں پڑھتے رہے۔ جس کی طرف نمازمیں منھ کرنا فرض تھا۔ آج ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ ہمارے اور اس کے درمیان چند گز سے زیادہ فاصلہ نہیں۔ ہم اپنے گنہگار ہاتھوں سے اس کے غلاف کو چھو سکتے ہیں۔ اس کو آنکھوں سے لگا سکتے ہیں اِس کی دیواروں سے چمٹ سکتے ہیں۔ عمر میں بڑی بڑی حسین و جمیل عمارتیں اور فنِ تعمیر کے بڑے بڑے نمونے دیکھے۔ لیکن اس سادا سے چوکور گھر میں خدا جانے کیا حسن و جمال اور کیا دلکشی و محبوبیت ہے کہ آنکھوں میں کھبا جاتا ہے اور دل میں سمایا جاتا ہے،

کسی طرح نظر ہی نہیں بھرتی، تجلّیاتِ الٰہی اور انوار کا ادراک تو اہلِ نظر ہی کر سکتے ہیں،
لیکن جلال و جمال کا ایک پیکر ہم جیسے بے حسوں اور کم نظروں کو بھی نظر آتا ہے،
اور یہ صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس کو دیکھنے سے آنکھوں کو سیری اور دل کو آسودگی
نہیں ہوتی۔ جی چاہتا ہے کہ دیکھتے ہی رہیے اس کی مرکزیت و موزونیت، اس کی
زیبائی و رعنائی، جلال و جمال کی آمیزش الفاظ سے بالا تر ہے۔

محاسنہ هیولی کل حسن　　　　وَمقناطیس افئدۃ الرّجال

اس کا دیکھتے رہنا دل کا سرور، آنکھوں کا نور، روح کی غذا اور نظر کی عبادت
ہے، دل کی کلفت اس سے کافور، دماغ کا تکان اس سے دور ہوتا ہے۔ اللہ
تبارک و تعالیٰ نے عجیب نعمت عطا فرمائی ہے، سارے عالم کی دلکشی اور
دل آویزی اس میں سمٹ کر آگئی ہے۔

ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہو چکا ہے۔ حجّاج کا ہجوم ہے۔ بیت اللہ کے گرد
طواف کرنے والوں کا چکّر چل رہا ہے۔ سیاہ غلاف کے چاروں طرف سفید احرام
میں ملبوس انسانوں کی گردش، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیاہ کعبہ کے گرد دودھ کی
ایک نہر بہہ رہی ہے۔ ہم بھی آدمیوں کے اس بہتے ہوئے دریا میں داخل ہوئے۔
ہمارے معلم ہمارے ساتھ تھے، انھوں نے ہمیں طواف کرایا۔ وہ طواف کی
دعائیں پڑھتے جاتے تھے ہم اس کو دُہراتے تھے۔ پھر ہم کو محسوس ہوا کہ اس
طرح نہ تو طواف کا لُطف آرہا ہے اور نہ دعاؤں کا، اس لیے جو مسنون دعائیں یاد

تھیں ہم نے وہ پڑھنی شروع کر دیں۔ چونکہ ہم کو اس طواف کے بعد سعی بھی کرنی تھی اس لیے ہم نے رمل اور اضطباع بھی کیا۔ ہجوم کی وجہ سے استلام (حجر اسود کو بوسہ دینے) کی نوبت نہیں آتی تھی۔ حجر اسود کے سامنے پہونچ کر ہاتھ کا اشارہ کر دیتے تھے۔ طواف کے بعد ہم مقام ابراہیم پر آئے اور دو رکعت واجب الطواف پڑھی۔ پھر ملتزم پر آئے یہ حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان کا حصہ ہے یہاں اللہ کے بندے بیت اللہ کی دیوار اور اس کے غلاف سے چمٹے ہوئے[1] اس طرح بلک بلک کر رو رہے تھے اور اللہ کے گھر کا واسطہ دیکر اس کی چوکھٹ سے لپٹ کر اللہ سے مانگ رہے تھے، جس طرح ستائے ہوئے بچے اپنی ماں سے چمٹ کر روتے اور بلبلاتے ہیں۔ جس وقت وہ یارب البیت یارب البیت اے گھر والے، اے گھر کے مالک کہتے تو ایک کہرام مچ جاتا۔ سخت سے سخت دل بھی بھر آتا، آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور دعاؤں کی قبولیت کا ایک اطمینان سا

---

[1] عبدالرحمٰن بن صفوانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو بیت اللہ سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ انھوں نے بیت اللہ کو ملتزم کی جگہ پر بوسہ دیا۔ ان کے رخسار سے کعبہ پر تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان میں تھے۔ (ابو داؤد باب الملتزم)

محمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد عبداللہ بن عمرو کو دیکھا کہ انھوں نے حجر اسود کو کو بوسہ دیا اور ملتزم پر ٹھہرے اور اپنا سینہ و چہرہ اور اپنی دونوں بانہیں اور ہتھیلیاں اس پر رکھدیں اور ان کو اچھی طرح پھیلایا (یعنی چمٹ گئے) پھر فرمایا کہ میں نے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا ہے۔ (ابو داؤد، باب الملتزم)

ہونے لگتا۔ خدا کی طرف رجوع و انابت کا یہ ایک ایسا منظر تھا کہ دنیا کی کوئی قوم اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس امّت کو اس گئی گذری حالت میں بھی اپنے مالک سے جو تعلق ہے اس کا عشرِ عشیر بھی کہیں نظر نہیں آتا۔ معلوم ہوتا تھا کہ دل سینے سے نکل جائیں گے۔ قلب و جگر آنسو بن کر بہہ جائیں گے۔ لوگ غش کھا کر گر جائیں گے۔ اِن دعاؤں میں سب سے بڑا حصّہ مغفرت و عفو، رضاءِ الٰہی، حسنِ خاتمہ اور جنّت کی دعاؤں کا تھا۔ اللہ سے کسی مادّی سے مادّی چیز کا مانگنا بھی مادّیت نہیں سراسر روحانیت و عبادت ہے، لیکن ان دعاؤں میں آخرت اور روحانیت کا حصہ اس عالمِ مادّی کی چیزوں سے بہر حال زیادہ تھا۔ افکار و پریشانیوں کے اس دور میں اللہ کے بہت سے بندے صرف اللہ کی محبّت، توفیق اطاعت، شانِ عبودیت، اخلاص، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت، عشقِ کامل، اتباعِ سنّت، دین کی خدمت اور اسلام پر جینے اور مرنے کی دعا کر رہے تھے۔ بہت سے اللہ کے بندے اپنی دنیاوی ضروریات کو بے تکلّف مانگ رہے تھے کہ وہ کریم ہے، اس کے دروازے اور اس کے آستانہ پر نہ مانگی جائیں تو کس سے اور کہاں مانگی جائیں گی۔ بہت سے اللہ کے بندے کعبہ کے پردے میں منھ ڈالے ہوئے گریہ و بکا اور مناجات و دُعا میں مشغول تھے۔ غرض یہاں سائلوں کا ہجوم اور فقرا کا جمگھٹا تھا۔ ربّ کریم کا دروازہ کھلا تھا اور بے صبر اور مضطر سائل سوال و طلب میں بالکل کھوئے ہوئے تھے۔

ملتزم سے ہم زمزم پر آئے۔ پہلی مرتبہ آسودہ ہو کر زمزم شریف پیا۔ اس کے اصل مقام پر پیا۔ پھر باب الصفا سے نکل کر ہم سعی کے لیے مسعیٰ آئے۔ ہمیشہ سے یہ تصوّر تھا کہ صفا اور مروہ دو پہاڑ ہیں۔ ان کے درمیان ایک غیر آباد سا راستہ ہو گا۔ طویل طویل، اس پر لوگ دوڑتے ہوں گے۔ یہاں کچھ اور ہی نظر آیا، پہاڑ کھود کر اس سے بڑی بڑی عمارتیں بن گئی تھیں۔ پختہ سڑک کے کنارے ایک ذرا سی بلندی تھی چند سیڑھیوں کا ایک زینہ تھا اس پر چڑھ کر سعی کی نیت کی اور کہا أبدأ بما بدأ اللّٰہ بہ انّ الصفا والمروۃ من شعائر اللّٰہ (جس چیز کو اللہ نے مقدّم رکھا ہے اس کو میں بھی مقدّم رکھتا ہوں) اِنّ الصَّفا والمروۃ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہ (بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں) بیت اللہ کی طرف منہ کر کے ہاتھ اٹھا کر حمد و ثنا، تکبیر و تہلیل کی، دعا کی، پھر اُترے اور مروہ کی طرف چلے۔ میل کے سبز نشانوں کے درمیان (جہاں حضرت ہاجرہ اسمٰعیل علیہ السلام کے اوجھل ہو جانے کی وجہ سے بیقرار ہو کر دوڑتی تھیں) دوڑ کر چلے پھر معمولی چال سے چلنے لگے۔ ادھر مروہ کی طرف جانیوالوں اور مروہ سے صفا کی طرف آنیوالوں کے قافلے قطار اندر قطار ملتے رہے۔ کبھی جاوی پاس سے گذر جاتے، کبھی مصری چھیلتے ہوئے نکل جاتے، کبھی مراکشی و جزائری سامنے سے آتے نظر آتے، کبھی ترکی و بخاری راستہ میں ساتھ ہو جاتے، کبھی تکرونی و سوڈانی قدم بڑھا کے آگے ہو جاتے۔ ہر ایک احرام میں ملبوس، ننگے سر، ننگے پاؤں، عاشقانہ حال، مستانہ چال، دنیا سے بے خبر اپنی دھن میں مست رَبِّ اغفر وارحم اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَکْرَم کی صداؤں سے فضا گونجتی ہوئی،

دونوں طرف پُر رونق دوکانیں، مسعیٰ کا بازار اپنے پورے شباب پر اور بہار پر۔ موٹر کاریں ہارن بجاتی ہوئی اور آدمیوں کو بچاتی ہوئی نکلتی رہتی ہیں۔ دوکانوں پر سودے بِک رہے ہیں۔ شربت کے گلاس کے دور چل رہے ہیں۔ صرّافوں کی دوکانوں پر روپیہ گننے اور سکوّں کے گرنے کی آواز کانوں میں آرہی ہے[1] لیکن عشّاق کا مجمع سر جھکائے نظر بچائے اپنی دُھن میں چلا جارہا ہے۔ عشق کی پوری تصویر، دنیا میں مومن کے رہنے کی مکمل تفسیر، خلوت در انجمن کا پورا منظر۔ دنیا کے بازار میں چلتی پھرتی سجدیں اور گونجتی ہوئی اذانیں۔ سعی کیا ہے؟ مومن کی پوری زندگی، بھرے بازار پھولوں سے لدے گلزار میں رہنا اور دل نہ لگانا۔ مقصد کو پیش نظر رکھنا، مبدا اور منتہیٰ کو نہ بھولنا اپنے کام سے کام رکھنا۔ صفا سے چل کر نہ مروہ کو فراموش کرنا نہ مروہ سے چل کر صفا کو بھول جانا۔ کہیں نہ اٹکنا، کہیں نہ الجھنا پیہم گردش، مسلسل عمل، مسعیٰ میں دونوں طرف دوکانوں کے ہونے اور سعی کے اس محل وقوع نے سعی میں ایک خاص معنویت اور لطف پیدا کر دیا ہے۔

آپ کو اس راستہ پر عالمِ اسلام کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ کے مسلمان ایک لباس میں ملبوس، ایک ترانہ بلند کرتے ہوئے، ایک عشق و سرمستی کی کیفیت میں آتے جاتے نظر آئیں گے۔ تیز قدم بڑھاتے ہوئے، اننگا سر اللہ کے سامنے جھکائے ہوئے چلے جارہے ہیں۔ ان میں امیر بھی ہیں غریب بھی، سرخ وسفید شامی و مغربی

---

[1] مسجدِ حرام کی توسیع کے بعد مسعیٰ کا بازار اب ختم ہوگیا ہے اور پورا مسعیٰ گویا مسجدِ حرام میں آگیا ہے (نعمانی)

بھی اور سیاہ فام حبشی و تکرونی بھی۔ مرد بھی اور عورت بھی۔ لیکن کسی کو کسی کے دیکھنے اور توجّہ کرنے کی فرصت نہیں۔ بعض اوقات اس مجمعِ عُشّاق کو دیکھ کر قلب پر عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے اور بے اختیار ان عُشّاق کے پاؤں پڑنے اور ان کی بلائیں لینے کا جی چاہتا ہے۔ اسلام کی محبّت جوش مارتی ہے، وطن اور قوم کی حدبندیاں ٹوٹنے لگتی ہیں اور دینی وحدت کا احساس ابھرنے لگتا ہے۔

لیجیے مروہ پر سعی ختم ہوئی۔ ساتواں پھیرا تمام ہوا۔ دعا کیجیے اور اگر آپ متمتّع ہیں تو حجام کے پاس جا کر بال بنوائیے۔ احرام کھول دیجیے اور اگر قارن یا مفرد ہیں تو نہ حجامت بنوائیے نہ احرام کھولیے۔

اب روزانہ کا معمول ہے کہ صبحِ صادق سے پہلے حرم میں آ گئے۔ کبھی رکنِ یمانی کے سامنے مصلیٰ مالکی کے پاس، کبھی حطیم کے سامنے مصلیٰ حنفی کے نزدیک، کبھی مصلیٰ حنبلی سے ملے ہوئے اور کبھی قسمت سے مقام ابراہیم کے پاس یا مصلیٰ شافعی کے دائیں بائیں نوافل پڑھے۔ کبھی ہر دو رکعت کے بعد ایک طواف کیا، کبھی نوافل کے بعد اکٹھا کئی طواف کر لیے۔ غرض جس طرح موقع ملا نوافل اور طواف میں وقت گذارا۔ صبح کی اذان ہوئی، نماز پڑھی اس وقت طواف کرنے والوں کا ہجوم ہوتا ہے خدا جانے کتنے اولیاء اللہ اور مقبولینِ بارگاہ ہوتے ہیں۔ عامۂ مومنین بھی کیا کم ہیں۔ طلوعِ آفتاب تک طواف کیے پھر اکٹھا طواف کی رکعتیں پڑھیں۔ اشراق پڑھی اور قیام گاہ پر آ گئے۔

مکہ معظمہ میں طواف سے بہتر اور وظیفہ کیا۔ سارے دن آدمی طواف کر سکتا ہے۔ بعض اہلِ ہمّت بیس بیس، تیس تیس طواف دن بھر میں کر لیتے ہیں "فضائل حج" میں ہے کہ کُرز بن وبرة کا معمول تھا کہ ستّر طواف دن میں اور ستّر طواف رات میں کرتے اور دو قرآن روزانہ پڑھ لیتے (بحوالۂ احیاء)۔ آخر شب میں اور گرمیوں میں ٹھیک دوپہر کو مجمع کم ہوتا ہے۔ بعض اہل ذوق ان اوقات کا انتظار کرتے ہیں۔ بعض ہر نماز کے بعد کرتے ہیں۔ بعض مجمع ہی پسند کرتے ہیں کہ معلوم نہیں کس کی برکت سے ہمارا طواف اور ہماری دعائیں بھی قبول ہو جائیں۔ رحمت الٰہی کسی طرف متوجّہ ہو اور ہم کو نہال کر جائے۔

"وللناس فی ما یعشقون مذاھب"

لیکن کسی وقت آیئے۔ دن ہو یا رات، پہلا پہر ہو یا ٹھیک دوپہر شمع پر پروانوں کا وہی ہجوم ہے۔ مُطاف کسی وقت خالی نہیں، اگر اس کے انتظار میں رہیئے گا کہ دو چار آدمی ہوں اور پورے سکون وطمانیت کے ساتھ طواف کریں تو یہ حسرت کبھی پوری نہ ہوگی۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے مثابۃ للناس (لوگوں کے لوٹ لوٹ کر آنے کی جگہ) بنایا اور جس کو سب سے بڑی محبوبیت ومرکزیت عطا فرمائی اور دلکشی کوٹ کوٹ کر بھر دی، وہ عُشّاق سے خالی کب رہ سکتا ہے۔ رات کو عشاء کے بعد سے صبحِ صادق تک ہر ہر گھڑی میں آکر دیکھا دربار بھرا ہوا ہی پایا۔

اُدھر مُلتزم کا حال یہ ہے کہ وہ دُعا کرنے والوں اور مچل مچل کر مانگنے والوں

اور لپٹ لپٹ کر فریاد کرنے والوں سے کسی وقت خالی نہیں۔ کوئی عربی میں کوئی فارسی میں، کوئی ترکی میں، کوئی سوڈانی میں، کوئی جاوی میں، کوئی اردو میں، کوئی بنگالی میں، کوئی نثر میں کوئی نظم میں، کوئی زبانِ بے زبانی میں عرضِ حال کر رہا ہے۔ دل کھول کھول کر مانگ رہا ہے، پھوٹ پھوٹ کر رو رہا ہے۔ کوئی پردے میں منھ ڈالے بڑے درد سے پڑھ رہا ہے ؎

بر در آمد بندہ بگریختہ
آبروئے خود بعصیاں ریختہ

یا ربّ البیت، یا ربّ البیت کی صدا بلند ہے۔

حرم میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، اس لیے اس سے بڑھ کر کیا خسارہ ہوگا کہ کوئی فرض نماز حرم میں نہ ہو۔ حرم کے باہر اگر آدمی کہیں جائے بھی تو کہاں جائے، بس حرم ہے اور ہم ہیں۔ نمازیں بھی یہیں، نوافل بھی یہیں، طواف بھی یہیں، تلاوت و اذکار بھی یہیں۔

بات کرتے کرتے ذی الحجہ کی ابتدائی تاریخیں ختم ہوگئیں۔ لیجیے آج ۷ ذی الحجہ ہوگئی، رات بیچ میں ہے کل منیٰ جانا ہے۔ سواریوں کے انتظامات ہو رہے ہیں، احرام کی تیاریاں ہیں۔ کوئی موٹر طے کر رہا ہے۔ کوئی کار اور ٹیکسی کی بات چیت کر رہا ہے۔ کوئی اونٹ کا انتظام سوچ رہا ہے، کوئی پیدل جانے ہی کی ٹھان رہا ہے۔ رات گذری صبح ہوئی۔ حج کی اصل مشغولیت شروع ہوگئی۔ کوئی دن چڑھے سواری آگئی۔

سوار ہوئے۔ لبیک لبیک کی صداؤں کے ساتھ منیٰ کا رُخ کیا۔ جو پاس سے گذرتا لبیک ہی سے سلام کرتا۔ تین میل کا فاصلہ ہی کیا، بات کرتے پہونچ گئے۔ یہ ڈیروں اور خیموں کا ایک عظیم الشّان شہر، جہاں تک نظر کام کرتی رنگ برنگ کے خیمے اور چھولداریاں ہی نظر آتیں۔ سارا عالمِ اسلام یہاں سمٹا ہوا نظر آتا ہے، وہ بھی حُدود کی تقسیم کے بغیر۔ یہاں ہندی ہیں وہاں جاوی، یہ مصری ہیں وہ شامی۔ ذرا آدمی بھٹک جائے پھر قیام گاہ کا پتہ لگانا مشکل۔ اپنے معلّم کے جھنڈے کے نیچے اپنے خیمے میں مقیم ہوئے۔ آج کا سارا دن اور پوری رات یہاں بسر کرنی ہے کل ۹ر کو عرفات کی طرف کوچ ہے۔ یہاں اللہ کے نام لینے، نمازیں پڑھنے، ذکر و دُعا میں مشغول رہنے کے سوا کام ہی کیا ہے، لیکن انسان کی ضروریات اور اس کی دلچسپیوں نے یہاں بھی بازار لگا رکھا ہے۔ دکانیں کھلی ہوئی ہیں ضرورت کی چیزیں ڈیرے ڈیرے، خیمے خیمے بک رہی ہیں، پانی والے دروازے دروازے پانی لیے پھر رہے ہیں۔ ظہر کی نماز کے لیے منیٰ کی مشہور تاریخی مسجد "مسجدِ خیف" گئے۔ نہایت وسیع اور پُر فضا میدان۔ بیچوں بیچ ایک قبہ جس کے متعلق اہل خبر کہتے ہیں کہ بیسیوں پیغمبروں نے یہاں نمازیں پڑھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ یہاں نصب ہوا، نہایت بابرکت اور پرانوار جگہ ہے۔ زیادہ وقت یہیں گذرے تو بہتر ہے۔ مگر ساتھیوں کو تکلیف اور کسی قسم کی کلفت نہ ہو۔

عشا پڑھ کر تبلیغی جماعت کے علماء نے ذوق و شوق اور حج کی عظمت پیدا

کرنے والی تقریریں کیں۔ جن میں عرفات و مزدلفہ اور باقی ایّام منیٰ کے آداب و ذمہ داریاں یاد دلائیں۔ کچھ دیر بعد سو گئے کہ کل حج کے نچوڑ کا دن ہے۔ آج رات کی مکمل شب بیداری کل کے دن پر اور صحت پر اثر انداز نہ ہو۔ پچھلے پہر اللہ نے توفیق دی، آنکھ کھل گئی، منیٰ کا عجیب منظر تھا سارا شہر بقعۂ انوار بنا ہوا تھا۔ عالمِ اسلام کچھ سوتا تھا کچھ جاگتا تھا۔ ہر طرف تجلّیات و انوار کا ہجوم معلوم ہوتا تھا۔ اپنی جگہ پر رہا نہ گیا مسجدِ خیف کی طرف چلے۔ حضرت ابراہیمؑ کی قربانی اور حضرت اسمٰعیلؑ کے صبر و استقامت کی یاد بڑی شدّت سے پیدا ہوئی۔ خداوندا عشقِ ابراہیمؑ کا ایک ذرّہ عطا ہو، الٰہی مردہ دل کو اپنے عشق و محبّت سے زندہ کر دے۔ محبّت کا سوز عطا ہو جو ماسویٰ کو جلا دے۔ عالمِ اسلام اس وقت ابراہیمؑ کی آواز پر جمع ہے اس میں محبّت کی حرارت پیدا کر دے کہ پھر زندہ ہو جائے، پھر تیرے لیے اپنی جان و مال کی قربانی کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ عجب سرور و حضور کا عالم تھا، عجب ذوق و شوق کا وقت تھا۔ مسجدِ خیف میں تھوڑے لوگ جاگ رہے تھے۔ اطمینان سے نمازیں پڑھیں بڑی سکینت معلوم ہوتی تھی۔ صبح کی اذان ہوئی نماز ہوئی اور اپنی قیام گاہ پر آ گئے۔ اب منیٰ میں سے چل چلاؤ ہے۔ سب کا رخ عرفات کی طرف ہے۔ دن چڑھے یہاں سے چلنا ہے۔ ہر ایک جانے کے اہتمام میں ہے۔ سواریوں کی بھی کشمکش ہے۔ یہی حج کے امتحان کے مواقع ہیں۔

لبّیک لبّیک کی صداؤں کے ساتھ عرفات کی طرف روانہ ہوئے۔ چھ میل

کا فاصلہ ہے۔ تین میل پر مُزدلفہ ملا جہاں رات واپس آنا ہے اور شب گذاری کرنی ہے۔ مگر ابھی ٹھہرنا نہیں گذرتے چلے گئے۔ لیجیے عرفات آگیا۔ اللہ غنی! انسانوں کا ایک جنگل، جنگل میں منگل، کئی لاکھ انسان دو بے سلی چادروں میں شاہ و گدا ایک لباس میں۔ جہاں تک نظر کام کرتی ہے خیمے اور شامیانے ہی نظر آتے ہیں جو نظر آتا ہے دو سفید چادروں میں، معلوم ہوتا ہے کہ آج فرشتوں نے اللہ کی یہ زمین بسائی ہے۔ سفید براق لباس، نورانی صورتیں، ذکر سے تر زبانیں۔ لبیک لبیک کی صدا گونجتی ہوئی اور پہاڑوں سے ٹکراتی ہوئی۔ انسانوں کا اتنا بڑا مجمع لیکن نہ چپقلش نہ کشاکش۔ روحانیت و انابت کی فضا چھائی ہوئی۔ اپنے خیمے میں اُترے۔ جو لوگ مسجد النمرہ گئے انھوں نے امام کے ساتھ ظہر اپنے وقت میں اور عصر ظہر کے وقت میں جمع کر کے پڑھی اور ذکر و دُعا میں مشغول ہو گئے۔

"الحج عرفہ" حج عرفہ کا نام ہے۔ عرفہ حج کا نچوڑ ہے۔ یہی حج کی قبولیت کے فیصلہ کا دن ہے۔ یہی دعاؤں کے مقبول ہونے کا وقت ہے۔ یہی دل کھول کر مانگنے کی جگہ اور زمانہ ہے۔ اللہ کے بندے ذکر و دُعا میں مشغول ہو گئے۔ کسی نے قرآن مجید کھولا۔ کسی نے حزب الاعظم شروع کی۔ کوئی سجدہ میں گر گیا۔ کسی نے اپنی منتخب دعائیں اپنی یادداشت سے پڑھنا شروع کیں۔ جن تمناؤں کو چھپا چھپا کر رکھا تھا آج ان کو دل کھول کر پیش کر دیا۔ جن کو پہلے سے دُعا کا سلیقہ تھا آج وہ کام آیا۔ ذکر و سلوک، محبت سب قوتِ دعا اور توجہ الی اللہ کو بڑھانے ہی کے لیے ہیں۔

سورج ڈھلا دھوپ ہلکی ہوئی۔ کوتاہ ہمت بھی جبلِ رحمت کی طرف بڑھے۔ معلّم کا جھنڈا ساتھ کہ اگر چھوٹے تو شاید مکہ ہی میں ساتھیوں سے ملنا ہو۔ خیمے سے جبلِ رحمت کا فاصلہ میلوں کا نہیں مگر پورے عالمِ اسلام میں سے گذر کر پہونچے۔ خدا جانے کتنے ملکوں کے علاقے راستے میں آئے۔ اِن سفید پوش، کفن بردوش مہمانانِ دربار پر کیسا پیار آتا ہے۔ محبت کا جوش اٹھتا ہے۔ اپنے حج کا پتہ نہیں مگر دل سے یہی نکلتا ہے کہ الٰہی سب کا حج قبول ہو۔ آج تیری رحمت سے کوئی محروم نہ رہ جائے۔ مصریوں کا بھی، شامیوں کا بھی، مغربیوں کا بھی، یمنیوں کا بھی، ترکوں کا بھی، افغانوں کا بھی، چینیوں کا بھی اور حبشیوں کا بھی اور ان سیاہ فام روشن دل تکرونیوں کے طفیل ہم غریب ہندیوں کا بھی۔

جبلِ رحمت پر سائلوں کا ہجوم ہے۔ گویا بڑے پیمانہ پر ملتزم کا نقشہ ہے۔ سوال و دعا کا غلغلہ بلند ہے۔ بھرائی ہوئی آوازیں اور گلوگیر صدائیں بیچ بیچ میں بے حس و سخت دل لوگوں کے دل میں بھی رقت اور گداز پیدا کرتی ہیں۔ سب اپنی اپنی دلی مراد مانگ رہے ہیں۔ ہر قوم و ملک کے لوگ اپنی اپنی دعاؤں میں مشغول ہیں۔ ہندوستانی مسلمان جن کے دلِ ہندوستان کے ۱۹۴۷ء کے واقعات سے چوٹ کھائے ہوئے ہیں نرالی شان رکھتے ہیں۔ انھوں نے جب اپنے بھائیوں کے لیے اور اپنے اس ملک کے لیے دعا شروع کی جس نے سینکڑوں اولیاء، محدّثین و فقہا، مجاہدین و شہداء اور اپنے اپنے وقت کے امام و مجدّد پیدا کیے جس نے اس پچھلے دَور میں حدیث کی

امانت کی حفاظت کی جس کے بعض بعض فرزند خدمتِ اسلام، فہم کتاب وسنّت میں سارے عالمِ اسلام میں امتیاز رکھتے تھے تو ایک سنّاٹا چھا گیا اور سب کی نگاہیں اس لٹتے ہوئے ہندی قافلہ کی طرف اٹھ گئیں۔

آفتاب غروب ہوا۔ جبلِ رحمت سے اپنے خیمہ کی طرف واپسی ہوئی۔ حج مبارک، اللہ تبارک وتعالیٰ حجِ مقبول کے برکات وثمرات، انوار وآثار عطا فرمائے اور اس میدان میں پھر آنا نصیب کرے۔ سورج ڈوب گیا، جہاں جہاں سورج ڈوبا سب جگہ مغرب کی نمازیں ہو رہی ہیں اور جو نہ پڑھتا ہوگا وہ تارک الصلوٰۃ ہوگا، گنہگار ہوگا، لیکن اس میدان میں جہاں اللہ کے بلائے ہوئے مسلمان جمع ہیں جنھوں نے آج حج کا رکنِ اعظم ادا کیا ہے وہ سب یہاں مغرب کی نماز چھوڑ رہے ہیں۔ لاکھوں میں سے کوئی نادان ہوگا جو مغرب کی نماز پڑھ رہا ہوگا۔ اللہ اکبر! یہی شہنشاہی کی شان ہے، جہاں چاہا حکم دیدیا، جہاں چاہا روک دیا اور یہی بندگی ہے۔ نماز سے بھی ذاتی تعلق نہیں، آقا کے حکم کی اطاعت مقصود ہے۔ آج حکم ہے کہ مغرب کی نماز عشاء کے ساتھ پڑھی جائے۔ جنھوں نے کبھی ایک وقت کی نماز نہیں چھوڑی آج وہ خوشی خوشی چھوڑ رہے ہیں۔ عرفات والوں کے لیے آج نماز کی جگہ مزدلفہ اور مغرب کی نماز کا وقت عشاء کو ہے۔ یفعلِ اللہ مایشاء ویَحکُمُ مَا یُرِیْد

اب لاکھوں انسان کی یہ بستی یہاں سے تین میل پر منتقل ہو جائے گی۔ شہر کا اُجڑنا بسنا کچھ ہنسی کھیل نہیں، ایک شورِ قیامت برپا ہو۔ ایک طوفانِ بے تمیزی لیکن

یہاں کچھ نہیں۔ حکم لایا تھا حکم لے جا رہا ہے۔ غلاموں کی طرح آئے تھے غلاموں کی طرح جانا ہے۔ سیجیے خیمے اکھڑے، طنابیں ڈھیلی ہوئیں، شامیانے تہہ ہوئے۔ دیکھتے دیکھتے یہ جیتا جاگتا شہر لق ودق میدان بن گیا۔ جو جواں ہمت اور سواری کے پابند نہ تھے وہ آزادی سے وقتِ مسنون پر روانہ ہو گئے۔ جو ضعیف اور عورتوں کی وجہ سے مجبور تھے ان کو سواری کی وجہ سے دِقت پیش آئی اور انتظار کرنا پڑا۔ سواری کے آنے میں دیر ہوئی ایک گھنٹہ گذرا، دوسرا، تیسرا، رات ۸ بجے، ۹ بجے، ۱۰ بجے، سواری نہ اب آتی نہ تب۔ اب میدان میں جہاں تک نظر کام کرتی ہے ہمارے چھوٹے سے قافلہ کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔ لاریاں آتی ہیں اور نکل جاتی ہیں کوئی ادھر کا رخ نہیں کرتی۔ رات گذری چلی جا رہی ہے۔ مزدلفہ میں میسّر ہونے والی رات کا خاصہ حصّہ عرفات میں گذرا جا رہا ہے۔ یا الٰہی کیا ہوگا؟ کیا ہم یہیں رہ جائیں گے؟ کیا ہم مزدلفہ سے محروم رہیں گے؟ مستورات کا ساتھ، دن بھر کے تھکے ماندہ معلم صاحب بھی عاجز و مجبور کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ پیمانۂ صبر لبریز ہونے لگا۔ ڈرائیور پر غصّہ، معلّم پر خفگی، سب بے سود۔ آدھی رات ہونے کو آئی خدا خدا کر کے لاری آئی۔ تیوری چڑھی، تلخ و تند لہجے میں ڈرائیور سے محاسبہ کیا کہ کہاں اتنی دیر لگائی؟ کیا حجاج کو اذیت دینا تم لوگوں کے نزدیک کارِ ثواب ہے؟ اس نے آسانی سے کہہ دیا کہ راستہ صاف نہ تھا۔ گھنٹوں میں پہلی کھیپ پہونچی اور بہ مشکل واپسی ہوئی۔ کہہ کر افسوس ہوا، کاش زبان سے کچھ نہ کہا ہوتا۔ اللہ کا شکر ادا کیا ہوتا کہ اس نے آخر پہونچا دیا۔ اب بھی اگر

لاری نہ آتی تو کیا کرتے۔ یہی فرق ہے بڑوں اور چھوٹوں میں!

عرفات اور مزدلفہ کے درمیان خدا کی شان نظر آتی ہے۔ موٹروں اور لاریوں کا ایک بڑا سیلاب۔ اتنا بڑا سیلاب زندگی بھر نہیں دیکھا۔ سب کو پہونچنے کی جلدی مگر کوئی حادثہ نہیں۔ لیجیے مزدلفہ پہونچ گئے۔ ایک میدان میں کئی مسافر اُترے ہوئے۔ اطمینان کی جگہ کا کیا سوال؟ جہاں موقع مل جائے غنیمت ہے۔ ایک جگہ سامان جمع کر کے درمیان میں لیٹ رہے کچھ دیر کے بعد آنکھ کھل گئی۔ سارا میدان جگمگا رہا تھا۔ مزدلفہ ہنستا ہوا معلوم ہوتا تھا، کیا خیر و برکت کی رات ہے جو وقت مل جائے غنیمت ہے۔ لوگوں نے صبح سے پہلے ہی روانہ ہونا شروع کر دیا۔ ناواقفیت اور جہالت اور اسی کے ساتھ جلد بازی بھی ایک مصیبت ہے۔ یہاں کی سنت صبح ہونے کے بعد یہاں سے چلنا ہے مگر لوگوں کو منیٰ میں جلد پہونچنے کی ہیبت اور لاری والوں کا بیگار ٹالنا، تاریکی اور ناواقفیت میں مشعرِ حرام کا تو پتہ نہ چل سکا جہاں دُعا کرنا مسنون ہے اور قرآن مجید میں صاف طور پر ہے "واذکروا اللّٰہ عند المشعر الحرام"۔ جب اُجالا ہو گیا تو پتہ چلا اور اس مسجد میں جا کر جو جبلِ قزح کے پاس ہے کچھ دیر دُعا کی۔ پھر کنکریاں چنیں اور ساتھ اور منیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔

ایک دن کا اُجڑا منیٰ اللہ کے حکم سے پھر آباد ہے۔ آج دسویں ذی الحجہ ہے یعنی عین عید الاضحیٰ۔ آج تمام روئے زمین پر جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں یہیں کی یادگار کے طور پر عید کی نماز پڑھی جا رہی ہوگی۔ لیکن اللہ کی شان یہاں عید کی نماز نہیں۔ کسی

کو خیال بھی نہیں۔ منیٰ کی عید یہی ہے کہ رمی کی جائے، قربانی کی جائے، بال منڈائے یا کترائے جائیں۔ احرام کھول دیا جائے۔ طوافِ زیارت کیا جائے۔ یعنی حج تمام ہوا۔ اللہ قبول کرے۔

منیٰ پہونچ کر پہلا مرحلہ یہ تھا کہ جمرۃ العقبہ کی رمی کی جائے یعنی کنکریاں ماری جائیں۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنے چلے تو شیطان سب سے پہلے اس جگہ ملا اور اُس نے ان کو اس ارادے سے باز رکھنا چاہا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس کو سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ زمین میں دھنس گیا۔ آگے بڑھ کر پھر دوسرے جمرہ کی جگہ نظر آیا، وہاں بھی سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ وہ زمین کے اندر دھنس گیا۔ پھر جمرۂ اولیٰ کی جگہ نظر آیا پھر اس کے سات کنکریاں ماریں یہاں تک کہ زمین کے اندر گھس گیا۔[1] حضرت ابراہیمؑ نے ہر عمل پیغمبرانہ اخلاص اور عاشقانہ کیفیت کے ساتھ کیا تھا۔ وہ اللہ سے پہلے مانگ چکے تھے کہ:

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ — میرا ذکرِ خیر پچھلوں میں بھی باقی رکھ۔

اور فرما دیا گیا:

وَتَرَکْنَا عَلَیْہِ فِی الْاٰخِرِیْنَ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبْرٰھِیْمَ (والصّٰفّٰت۔ع ۲) — ہم نے اُن کا ذکرِ خیر پچھلے لوگوں میں باقی رکھا، سلام ہو ابراہیم پر۔

اس لیے اللہ نے ان کے ہر فعل کو زندگی جاوداں بخشی اور اس کی یادگار

---

[1] صحیح ابن خزیمہ

باقی رکھی۔ آج ان افعال کی نقل میں بھی عشق کی کیفیت اور زندگی وتازگی ہے بشرطیکہ دل محبّت وعظمت اور ایمانی کیفیات سے بالکل خالی نہ ہو۔ حج کی ہر چیز میں عاشقانہ کیفیت اور محبوبانہ ادا ہے۔ سعی وطواف تو عشق وجذب کی کھلی نشانیاں ہیں۔ مگر یہ رمی (کنکریاں مارنا بھی) عجب پیاری ادا ہے۔ عاشقیت محبوبیت توأم ہیں۔ سچّے عشق کے ساتھ جو چیز کی جائے گی اس پر اہلِ دل کو پیار ہی آئے گا۔ رمی کرتے وقت اگر دل میں سیّدنا ابراہیمؑ کی محبّت اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کی اطاعت کا جذبہ اور اپنے دشمنِ حقیقی سے نفرت کا جوش ہو تو رمی عجب بہار کی چیز ہے۔ عجب عبادت ہے اور اگر یہ کیفیات اتفاقاً نہ ہوں یا ان کا استحضار نہ ہو تو بھی حکمِ الٰہی کی اطاعت کسی حال میں فائدے سے خالی نہیں۔

رمی جمرات کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں پڑھی تھی اِس کے مقاصد وحکم حج کے سفرناموں میں دیکھے تھے لیکن اس کا صحیح تصوّر اور نقشہ ذہن میں بالکل نہ تھا۔ جمرات کی کیا صورت ہے؟ رمی کس طرح ہوتی ہے؟ کچھ اندازہ نہ تھا۔ منیٰ پہونچ کر رمی کی فکر ہوئی۔ دوستوں میں جو لوگ پہلے سال حج کر چکے تھے ان کو لے کر جمرۂ اُخریٰ پر پہونچے۔ آج دسویں کو صرف اسی جمرہ کی جو سب سے آخر میں ہے رمی کرنا ہے۔ رمی کرنے والوں کا ہجوم تھا۔ ایک حوض سا بنا تھا اس کے اوپر ایک لکڑی لگا رکھی گئی تھی تاکہ دُور والوں کو اندازہ ہوسکے۔ حوض میں کنکریوں کا ڈھیر تھا۔ بعض لوگوں نے غصّہ میں جوتے بھی مارے۔ بعض سادہ لوح دِل لوگوں میں نفرت وعداوت کا وہی جذبہ تھا جو اپنے دشمن

سے ہوتا ہے۔ بعض مصریوں کو سُنا گیا کہ بڑے غصّہ سے مارتے اور کہتے تھے کتّے پھر پریشان کرے گا؟ پھر گمراہ کرنے کی کوشش کرے گا؟

مجمع بہت تھا اگر کوئی نظم کیا بھی جاتا تو مشکل تھا۔ کام صرف کنکریاں پھینکنا تھا۔ مگر اس عمل میں بھی ایک سنجیدگی اور عبادت کی شان تھی۔ اہلِ ذوق کو اس میں بھی خاص حظ اور کیف محسوس ہو رہا ہو گا۔

زوال سے پہلے پہلے الحمدللہ رمی سے فارغ ہو گئے۔ تلبیہ موقوف ہو گیا۔ اب قربانی کا مرحلہ باقی تھا۔ احرام کھولنا اِس پر موقوف تھا۔ مذبح میں جانور تلاش کرنا، طے کرنا اور قربانی کرنا آسان کام نہ تھا۔ یہ بھی حج کے مجاہدات میں سے ہے۔ الحمدللہ یہ مرحلہ بھی آسان ہوا۔ بال منڈائے اور احرام اُتار دیا۔

ابھی حج کا ایک رکن باقی ہے۔ وہ طواف زیارۃ ہے۔ دسویں ہی کو عصر کے وقت مکّہ معظمہ گئے۔ مکّہ معظمہ کی بڑی آبادی آج منیٰ میں تھی اور ابھی دو تین دن رہے گی جو لوگ نظر آ رہے تھے اکثر طوافِ زیارت کے لیے حاضر ہوئے تھے پھر بھی مُطاف خالی نہ تھا۔ گرچہ پہلے کا سا ہجوم نہ تھا۔ ہم نے سعی طوافِ قدوم کے ساتھ کر لی۔ اس لیے آج سعی کرنی نہ تھی[1]۔ طواف سے فارغ ہو کر منیٰ واپس آ گئے۔

اب یہاں کی ہر رات اور ہر دن حاصلِ عمر ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو ایک ایک گھڑی غنیمت سمجھیں اور غفلت کا کوئی لمحہ گزرنے نہ دیں۔ یہی دن ہیں جن

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتب مناسک ۱۲

کے متعلق قرآن مجید میں صراحتہً حکم ہے:

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ

پھر جب پورے کر چکو اپنے حج کے کام کو تو یاد کرو اللہ کو جیسے یاد کرتے تھے اپنے باپ دادوں کو بلکہ اس سے زیادہ یاد کرو۔

اور آگے فرمایا کہ:

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ (البقرہ ع ۲۵)

اور یاد کرو اللہ کو کئی دن گنتی کے۔

اس لیے یادِ الٰہی میں جتنا انہماک اور عبادت میں جتنی مشغولیت ہو کم ہے، مگر افسوس کہ اس کا حق بالکل ادا نہ ہو سکا اور اس میں شدید کوتاہی رہی۔ بے تکلف دوستوں کا مجمع، کھانے پینے کی بہتات، عمر بھر کی غفلت کی عادت، بڑا وقت ہنستے بولتے اور کھانے پینے میں گذر جاتا۔ ناظرینِ کرام سے کہنے کو جی چاہتا ہے۔

من نکردم شما حذر بکنید

یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ بہت سے حجاج نے اس قیمتی اور مختصر وقت کے اندر ہی جہازوں کی تحقیقات اور سفر کے منصوبے شروع کر دیے جو وقت قیام سے فائدہ اٹھانے میں گزرنا چاہیئے تھا وہ سفر کے دھیان اور تصوّر میں گزرنے لگا۔

ان دنوں میں کھانا پینا اور خصوصاً قربانی کا گوشت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوت سمجھ کر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو پیشِ نظر رکھ کر:

"ھذا ایام اکل وشرب" یہ کھانے پینے کے دن ہیں ثواب و عبادت سے خالی نہیں۔ یہ بھی اچھی طرح مشاہدہ اور تجربہ کیا ہے کہ اس ارشاد کو سامنے رکھ کر کھانے پینے سے کوئی تکلیف بھی نہیں ہوتی۔

تیرھویں تک ٹھہرنا ہے۔ دن میں حج کے سلسلہ کا ایک ضروری کام یہ ہے کہ رمی روزانہ کی جائے۔ پہلے دن (دسویں کو) صرف جمرۂ عقبیٰ کی رمی کی گئی تھی اب جمراتِ ثلثہ کی رمی روزانہ ہوگی۔ دسویں کو زوال سے پہلے پہلے رمی مسنون ہے اور گیارھویں، بارھویں، تیرھویں کو (اگر تیرھویں کو ٹھہرنا ہو) زوال کے بعد ظہر کی نماز پڑھ کر رمی کا حکم ہے اوّل جمرۂ اولیٰ کی (جو مسجد خیف سے متصل ہے) پھر جمرۂ وسطیٰ کی، پھر جمرۂ اخریٰ کی۔[1]

تیرھویں کو منیٰ جانے کا عزم ہے۔ ان دنوں میں بشدت اس کا احساس ہوتا ہے کہ منیٰ کے کم سے کم یہ تین دن دینی دعوت اور تعلیم و تربیت کے مغتنم ترین دن ہیں۔ جو مجموعی طور عالمِ اسلام کو اتنے بڑے پیمانے پر کبھی میسر نہیں آسکتے۔ عالمِ اسلام کا ایک بہترین نمائندہ مجمع جو راہِ خدا میں نکلا ہوا ہوتا ہے جس میں اتنے دنوں کے مجاہدات، تعلقات و مشاغل انقطاع، فاسد ماحول سے بے تعلقی، حج کے انوار و تاثیرات کی وجہ سے دین کے جذب و قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو چکی ہوتی ہے۔ اور دین و عبادت ہی کے لیے اس کا قیام ہوتا ہے اگر اس وقت سے فائدہ اٹھایا جائے تو برسوں کا کام چند دنوں میں اور ہزاروں میل کا سفر ایک مختصر سے رقبہ میں طے ہو جائے۔ ایک جہاز پر اگر ایک

---

[1] رمی کے مفصل احکام کتب مناسک میں دیکھے جائیں۔

ملک یا چند صوبوں کا قافلہ ہوتا ہے اور اس کے اوقات دین اور علمِ دین کے لیے فارغ ہوتے ہیں تو منیٰ کے میدان میں پورے عالمِ اسلام کا کارواں اُترا ہوا ہوتا ہے اور دین کے لیے فارغ۔

مگر صد حیف کہ ایسی فُرصت سے دینی تعلیم و تربیت اور اسلامی دعوت کا فائدہ قطعاً نہیں اٹھایا جاتا۔ ہماری دینی زندگی کی چول اپنی جگہ سے ایسی ہٹی ہوئی ہے کہ کسی چیز سے بھی ہم فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ صرف منیٰ کے قیام کے یہ دن اور حجّاج کا یہ مجمع ایسا تھا کہ اس سے پورے عالمِ اسلام میں دین کی روح پھونکی جا سکتی تھی اور دعوت کا جذبہ پیدا کیا جا سکتا تھا۔ یہ مجمع ایک بادِ بہاری تھا جو سارے عالم میں دینی دعوت و اصلاح کے بیج بکھیر سکتا تھا اور دین کے ہزاروں چمن کھلا سکتا تھا۔ پچاس حکومتیں، ہزار انجمنیں، سیکڑوں اخبارات و رسائل، لاکھوں مبلغ و داعی وہ کام نہیں کر سکتے جو منیٰ کی ایک منظّم دعوت اور ایک تربیت یافتہ جماعت کر سکتی ہے۔ پہلے یہ سب حج کے ثمرات و منافع میں داخل تھا۔ "لیشہدوا منافع لہم" کا مفہوم اتنا تنگ نہیں جتنا سمجھا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو جو آخری عالمگیر وصیّت فرمائی ہے وہ عرفات و منیٰ کے میدان ہی میں فرمائی۔ عرفات و منیٰ کا مخاطب مجمع ہی اس کی صلاحیت رکھتا تھا کہ فرمایا جاتا:

لیبلغ الشاھد الغائب	دیکھو جو موجود ہے وہ میری یہ باتیں
فرب مبلغ اوعیٰ من سامع	اُن تک پہنچا دے جو یہاں موجود نہیں،

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو بالواسطہ سنتا
ہے وہ اپنے کانوں سے سننے والے سے
زیادہ سمجھنے والا اور یاد رکھنے والا ہوتا ہے

حج ہی کے موقع پر سورۂ برأت کی ابتدائی آیات اور مشرکین کے احکام کا اعلان ہوا۔ حج ہی کے موقع پر ایک خلقت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست دین کی تعلیم حاصل کی۔ حج ہی کے موقع پر بلاد وامصار کے طالبِ علم دین سیکھنے، احکام معلوم کرنے حدیث سننے جمع ہوا کرتے تھے۔ حج آج بھی عالمِ اسلام میں زندگی کی لہر پیدا کر سکتا ہے۔ مسلمانوں میں دینی شعور اور اپنی ذمّہ داری کا احساس پیدا کرا سکتا ہے۔ حج ہی کے ذریعہ اس بھٹکے ہوئے قافلہ کو اپنی گم کردہ منزل نظر آسکتی ہے اور "معمارِ حرم" کو "تعمیرِ جہاں" کا بھولا ہوا کام یاد آسکتا ہے۔ حج انقلاب واصلاح کی ایک عظیم الشان طاقت ہے۔ مگر ہماری کاہلی اور نادانی سے یہ طاقت بہت کچھ ضائع ہو رہی ہے۔ ہر سال ضائع ہوتی ہے اور برسہا برس سے ضائع ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات میں کمی نہیں مگر ہماری طرف سے ناقدری میں بھی کمی نہیں۔ اگر کسی زندہ اور صاحبِ عمل قوم کو یہ موقع حاصل ہوتا اور اس کو ہر سال بلا کسی جدّوجہد اور مادّی ترغیب کے محض دینی کشش اور آخروی نفع کی بنا پر یہ عالمگیر اجتماع میسّر ہوتا تو وہ تمام عالم میں انقلاب کر سکتی تھی اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں اپنا پیغام پہونچا سکتی تھی۔ دنیا کی بہت سی قومیں جو نبوّت اور وحیِ الٰہی کی عطا کی ہوئی دولتوں سے محروم ہیں حج کے اس بین الاقوامی اجتماع کو جس

میں ہر حصۂ زمین سے آئے ہوئے لاکھوں مسلمان اپنا خرچ کر کے اور راستے کی صعوبتیں برداشت کر کے اپنے شوق سے جمع ہوتے ہیں رشک وحسد کی نگاہوں سے دیکھتی ہیں۔ اُن کو اپنی چھوٹی چھوٹی مجلسوں کے لیے لاکھوں روپے خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ طاقتور پروپگنڈا کرنا پڑتا ہے پھر بھی کامیابی نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ ان کے ساتھ دینی کشش اور روحانی جذب نہیں لیکن مسلمانوں کو اس مفت کی دولت کی قدر نہیں۔

تعلیم و تربیت، دینی تذکیر و دعوت، حج کا ضمنی اور ثانوی فائدہ ہے۔ لیکن کسی طرح نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ خصوصاً اِس عہد میں اس کی ضرورتیں بے حد بڑھ گئی ہیں۔ اگر کسی ایک ملک کے مسلمانوں میں بھی کسی درجہ کا عزم و نظم پیدا ہو جائے اور اِس کام کے لیے وہ ضروری تیاری کر لیں، مخلص، دردمند، صاحبِ علم داعی کسی تعداد میں بھی فراہم ہو جائیں اور عالمِ اسلام کی دو چار زبانوں خصوصاً عربی پر اتنی قدرت حاصل ہو کہ وہ اس میں دعوت کا کام انجام دے سکیں۔ ان کے پاس دعوت کا ضروری سامان بھی ہو۔ عالمِ اسلام کے لیے پیغام، اس کے اصل امراض و مصائب کی تشخیص اور اُس کا صحیح عِلاج، دین کی طرف بازگشت کی دعوت، اُمّت کی نشاتِ ثانیہ کا راستہ، اُمّت کا اصل محل و مقام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت اور اس کی اُمّت کے ظہور کا مقصد، اسلام اور عالمِ انسانی کا رشتہ، آخرت کی دنیا پر ترجیح، صحابۂ کرامؓ اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے حقیقی اوصاف و اخلاق۔ ان اوصاف پر خود بھی تیار ہوں اور اُن کے پاس اِن حقائق کو ذہن نشین کرنے

کے لیے اور بعد تک یاد دہانی کرنے کے لیے مختصر رسائل و مطبوعہ مضامین بھی ہوں ،
ایک ایسی جگہ بھی ہو (عارضی) جہاں وہ منتخب لوگوں کو بیٹھنے ، گفتگو کرنے اور مطالعہ کرنے
کی دعوت دے سکیں ۔ اس لیے کہ اتنے وسیع اجتماع میں وہ ہر جگہ نہیں پہونچ سکتے ۔
دینی زندگی پیدا کرنے کے لیے ان کے پاس ایک نظام عمل بھی ہو جس کا تجربہ ہر ملک
میں کیا جا سکے ۔ تو منیٰ کے اس سہ روزہ قیام سے محیّر العقول فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے ۔

دوسرے ممالک کے علاوہ خود ہندوستانی حجاج کی ہزاروں کی تعداد ملے گی
جس کے پاس وقت گذارنے کے لیے لایعنی باتوں یا فرائض کے بعد کھانے پینے کے
سوا کوئی مشغلہ نہیں ۔ ان میں بہت بڑی تعداد دین کے ابتدائی اصول و ارکان سے اگر ناواقف
نہیں تو غافل ضرور ہوگی اور کم سے کم اُن کی دعوت و تذکیر اور اُن کے احیاء و ترویج کے
لیے جدّوجہد سے ضرور غافل ہے ۔ اِن سب کو اُس کی طرف متوجہ کرنا بہت بڑا کام ہے
اور اس کام کے لیے منیٰ اور مکۃ معظمہ سے بہتر موقع نہیں مل سکتا ۔

اس میں شبہ نہیں کہ اس کام میں سو فیصدی بلکہ شاید پچاس فیصدی کامیابی بھی
یقینی نہیں ۔ داعیوں اور کارکنوں کی کمی ، اُن کی بے سروسامانی ، مجمع کا پھیلاوا ، وقت
کی قلت ، انتشار و پراگندگی ، ناواقفیت و اجنبیت ، یہ اور بہت سی چیزیں جو تجربہ کے
بعد علم میں آئیں گی ، کامیابی کے راستے میں حائل ہیں ۔ لیکن اگر اس عظیم الشان کام
میں دس فیصدی کامیابی کا بھی امکان ہو بلکہ سردست کوئی امکان نہ ہو تو بھی ہر قیمت پر
یہ سودا سستا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا کی اس میں قوی اُمید ہے اور جناب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی سے قریبی نسبت ہے ؎

گر ایں سودا بجاں بودے چہ بودے

کاش اس کو مسلمان اپنی ضروریات کی فہرست میں شامل کر لیتے۔ کاش! اس کے لیے کچھ اہلِ ہمت کچھ اہل توفیق تیار ہو جاتے۔ کاش ہمارے یہ معروضات دلوں میں کچھ آمادگی پیدا کر سکتے۔

آیئے منیٰ کے اس قیام سے فائدہ اٹھائیں اور ذرا دیر کے لیے عقبہ چلیں۔ جہاں مدینہ کے انصاریوں نے پہلے پہل حضورؐ کے دستِ مبارک پر اسلام کی بیعت کی۔ اس کی حمایت و نصرت کا عہد کیا اور جہاں حقیقتاً ہجرت اور مدنی زندگی کی داغ بیل پڑی اسلام کی تاریخ میں اور عالمِ اسلامی کے طویل و عریض رقبہ میں یہ چند گز زمین بڑی حرمت و قیمت رکھتی ہے۔ سچ پوچھیے تو بدر کی فتح کا سنگِ بنیاد یہیں رکھا گیا تاریخ اسلام کا افتتاح یہیں ہوا، عالمِ اسلام کی تاسیس یہیں عمل میں آئی۔ یہی وہ موقع ہے جہاں اللہ کے نبیؐ سے جو سارے حج کے مجمع سے مایوس ہو رہا تھا یثرب کے بارہ آدمیوں نے چھپ کر بیعت کی اور اپنی خدمات پیش کیں۔ اگلے سال اسی جگہ تہتر۷۳ مرد اور دو۲ عورتوں نے بیعت کی اور حضورؐ کو اہلِ مدینہ کا پیامِ شوق پہونچایا اور مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی۔ حضورؐ نے فرمایا کیا تم دین کی اشاعت میں میری پوری پوری مدد کرو گے؟ اور جب میں تمھارے شہر میں جا بسوں، کیا تم میری اور میرے ساتھیوں کی حمایت اپنے اہل و عیال کی مانند کرو گے؟ مدینہ والوں نے پوچھا ایسا کرنے کا معاوضہ ہم کو کیا ملے گا؟ فرمایا بہشت! اہلِ مدینہ

نے دریافت کیا کہ اے خدا کے رسولؐ ہماری تسلّی فرما دیجیے کہ حضورؐ ہم کو کبھی چھوڑ نہ دیں گے؟ فرمایا نہیں میرا جینا مرنا تمھارے ساتھ ہوگا۔ اِس پر اُن حضرات نے بڑے جوش و سُرور کے ساتھ بیعت کی۔

یہ جگہ منیٰ اور مکّہ کے راستہ میں ہے اور جمرۂ اُخریٰ سے کچھ دور نہیں۔ آپ اس سے آتے جاتے گزرے ہوں گے اب اِس جگہ مسجد بنی ہوئی ہے۔ مگر وہ وقت نہیں ہے آیئے ہم بھی دو چار رکعت نفل پڑھیں۔ اس جگہ اللہ کے بہت سے مخلص بندوں نے اپنے مالک سے بندگی کا عہد و پیمان تازہ کیا اور اپنے رفیقوں کے ساتھ اسلام کی خدمت و نصرت کا عہد کیا[1]۔ آیئے ہم بھی اللہ سے دعا کریں کہ ہم کو اسلام کی خدمت، اعلاکلمۃ اللہ کی کوشش اور سنّتِ نبویؐ کے احیاء کی جدوجہد کے لیے قبول فرمائے اور ان صادقین کے طفیل صدق و اخلاص کی دولت سے کوئی حصّہ عطا فرمائے۔

آج ذی الحجہ کی تیرھویں ہے اور منیٰ کے قیام کا آخری دن، عارضی آبادی کا ایک حصّہ کل جاچکا باقی آج جارہے ہیں خیمے اکھڑ رہے ہیں، شامیانے لپیٹے جارہے ہیں سامان بار ہو رہا ہے۔ منیٰ پر آخری نگاہ ڈالیے اور مکّہ معظمہ کا رُخ کیجیے بسم نام اللہ کا۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ٥

---

[1] حضرت سیّد احمد شہیدؒ نے بھی اپنے حج کے موقع پر اِس جگہ دین کے لیے سرفروشی اور جانبازی پر اپنے ساتھیوں سے بیعت لی تھی اور اللہ سے عہد کیا تھا۔

مکہ معظمہ میں داخل ہو گئے۔ حرم میں نماز پڑھیے اور طواف کیجیے۔ بیت اللہ کو دیکھے اور دیکھتے رہیے ہر وقت اس کا نیا جمال اور نئی شان ہے ؎

کعبہ را ہر دم تجلّی می فزود
این ز اخلاصاتِ ابراہیم بود

اتنے دن سے اس کو دیکھ رہے ہیں مگر جی نہیں بھرتا، نگاہ نہیں تھکتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اس ذاتِ حال کے جمالِ جہاں آرا کا کیا حال اور اس کی دید کی کیا مسرت و لذّت ہو گی۔

آپ بیشک حج سے فارغ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے اور آپ کے اعزّا اور دوستوں اور سب مسلمانوں کے لیے مبارک فرمائے اور آپ کو بار بار لائے۔ مناسک حج میں سے کوئی رکن، کوئی فریضہ اور واجب باقی نہیں رہا۔ آپ آج اگر حرم سے چلے جائیں تو کوئی فقیہہ آپ کو ٹوک نہیں سکتا۔ آپ کا حج مکمل، مناسک سب تمام لیکن یہاں سے جانے کی ایسی عجلت کیوں ہے؟ یہاں کا قیام آپ پر خدانخواستہ بار کیوں ہونے لگا؟ اعزّا کی یاد مسلّم، وطن کی کشش برحق، دوستوں اور عزیزوں کی ملاقات سر آنکھوں پر، لیکن یہاں جو لمحہ گزر جائے غنیمت اور حاصلِ زندگی۔ مجبوری کی بات اور ہے مگر اپنی طرف سے جلد سے جلد چلے جانے کا اہتمام اور وطن کا اتنا شوق کہ پَر لگ جائیں اور اُڑ کر پہونچ جائیں، اتنی بے مروّتی سمجھ میں نہیں آتی۔ اپنے لیے طواف کیجیے اپنے مرحوم عزیزوں، دوستوں، اُستادوں، محسنوں، رفیقوں اور ساتھیوں کے لیے کیجیے تنعیم

جائیے اور عمرہ لائیے، زمزم سے خوب سیراب ہو جیے، حرم شریف میں نمازیں پڑھیے، اور ہر نماز میں لاکھ نمازوں کا ثواب پائیے۔ قرآن مجید کی تلاوت کیجیے، ہمت ہو تو غارِ حرا کی زیارت کیجیے، فرصت ہو تو غریب محلوں اور تکرونیوں کی آبادی میں جاکر ان کی دینی حالت دیکھیے۔ ان سے خود استفادہ کیجیے اور اگر آپ سے کوئی دینی فائدہ پہونچ سکے تو اس سے دریغ نہ کیجیے۔ مکّہ معظّمہ کے اہلِ علم و فضل سے ملاقات کیجیے۔ حرم میں اب حجاج کا ہجوم نہیں۔ حجرِ اسود کا باطمینان استلام کیجیے۔ رکن یمانی کے پاس حطیم کے اندر مقامِ ابراہیمؑ پر شوق سے نوافل پڑھیے۔ جتنے ارمان باقی رہ گئے ہوں سب نکالیے اور سب شوق سے پورے کیجیے۔

اب اگر صدائے رحیل بلند ہو گئی اور جانا ٹھہر گیا تو طوافِ وداع کر لیجیے اور بیت اللہ اور حرم شریف سے رخصت ہو جیے۔ جدّہ میں اگر جہاز میں اتفاقاً دیر ہو اور آپ مکّہ معظّمہ واپس نہ آسکیں تو ان حجاج میں جو جہازوں کے انتظار میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور کسی طرح وقت گزاری کر رہے ہیں، چل پھر کر اور مل جُل کر پھر دینی ضروریات و احکام کی طرف ان کو متوجّہ کیجیے مگر خود ان کے حقوق اور ان کے احترام کا لحاظ رکھتے ہوئے۔ آپ اگرچہ حج میں ان کے شریک ہیں مگر اس سے اُن کے حج کا احترام آپ کے ذمّہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ کسی کلمہ سے ان کی تنقیص یا ان کی دل آزاری نہ ہو۔

جہاز تیار ہے بسم اللہ کر کے سوار ہو ئیے۔ واپسی ضرور ہے، سفر بیشک وطن کی طرف ہے لیکن یاد رہے کہ واپسی اللہ کے گھر سے ہے اور آپ حج کی ذمّہ داریوں کے

ساتھ واپس ہو رہے ہیں۔ نمازوں کا اہتمام، ذکر میں مشغولیت، رفیقوں کا خیال ساتھیوں کے لیے ایثار کا جذبہ، اپنی کوتاہیوں پر ندامت واستغفار پہلے سے زیادہ ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسلمانوں کی ایک بڑی دینی جماعت کی خدمت و رفاقت کا موقع دوبارہ عطا فرمایا ہے پھر اس موقع سے فائدہ اٹھائیے اور حج کو قیمتی بنائیے۔

اچھا اب رخصت، یہ نوشتہ کیا عجب ہے کہ ہم سے زیادہ خوش قسمت ہو کہ سفر حج میں آپ کے ساتھ ہو اور حرمین میں اس کو آپ کی رفاقت کی سعادت حاصل ہو اور خدا کی قدرت و رحمت سے بعید نہیں کہ آپ کو اس سے کچھ کام کی بات ہاتھ آجائے۔ اگر یہ نہ ہو تو بھی ایک ادنیٰ و نااہل رفیق کا بھی حق ہوتا ہے۔ حجاج کو اپنے اس سامان سے بھی اُنس ہو جاتا ہے جو اس سفر سعادت میں ساتھ ہو۔ یہ بھی نہیں تو اخوتِ اسلامی کا حق ضرور ہے۔ اِن حقوق کی بنیاد پر اور بغیر کسی حق کے بوجہ اللہ یہ درخواست ہے کہ راقم السطور، اس کے والدین، اعزا و احباب محسنین (اور اس مجموعہ کے مرتب و معاونین) کے لیے مواقع قبولیت پر دعا فرمائی جائے۔

غرض نقشیست کز ما یاد ماند که هستی را نمی بینم بقائے
مگر صاحبدلے روزے برحمت کند بر حالِ این مسکیں دعائے

منیٰ کے راستہ میں "جبلِ نور"
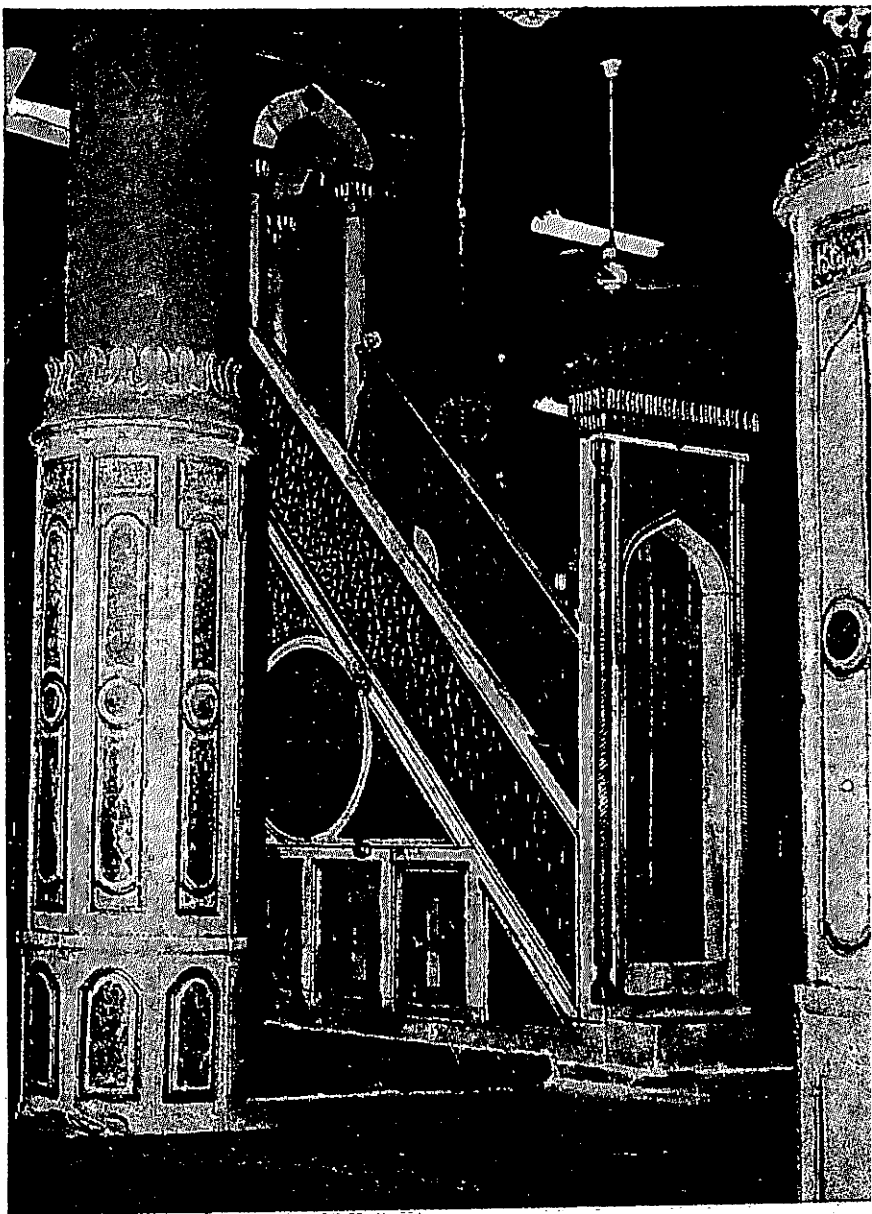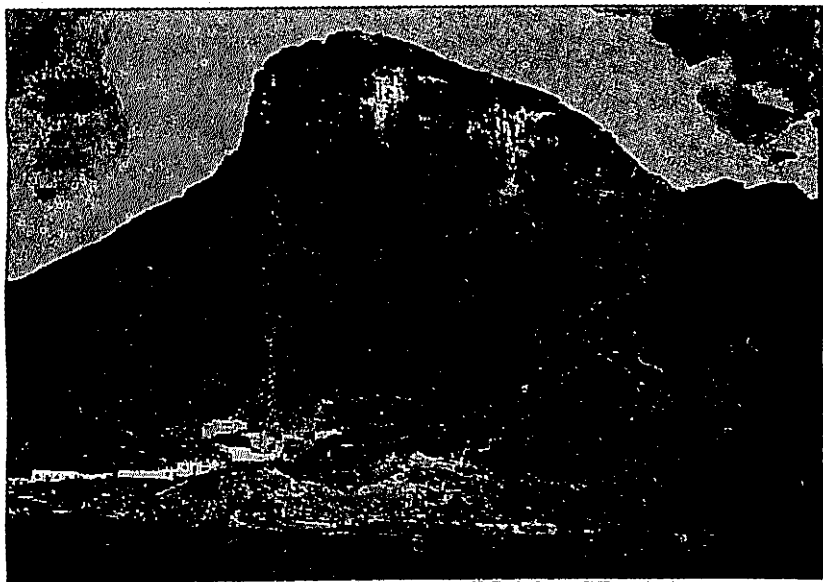
جبلِ رحمت پر حجاجِ کرام کا اجتماع
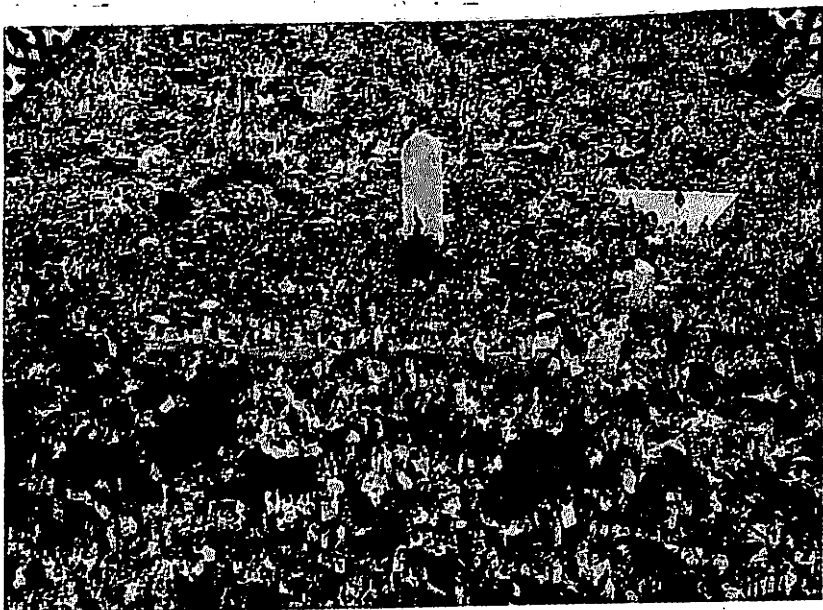
حج کے چند مشاہدات و احساسات

یہ وہ تقریر ہے جو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے سفر حج سے واپسی پر ۱۹ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں علماء، اساتذہ اور طلبۂ دارالعلوم اور شہر کے بعض اہم و ممتاز حضرات کی موجودگی میں کی۔ تقریر ٹیپ کر لی گئی تھی، قلم بند ہونے اور مولانا کی نظرِ ثانی اور کسی قدر ترمیم و اضافہ کے بعد ناظرین کے سامنے پیش کی جا رہی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اس سال تقریباً چار سال کے بعد مجھے حج کی سعادت حاصل ہوئی۔ وہاں کی دعوتوں، اہم اجلاس اور وسائلِ سفر کی موجودگی میں مختلف عوارض اور دینی مصروفیتوں اور ذمہ داریوں کی بنا پر حج کی سعادت حاصل کرنے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ اس سال مجھے حجازِ مقدس میں ڈیڑھ مہینے حاضر رہنے کا موقع ملا۔ حج میں شرکت کی بھی سعادت

حاصل ہوئی۔ اس اہم اور مبارک موقع پر جب عالمِ اسلام سمٹ کر سامنے آجاتا ہے مسلمانوں کی ملّی و دینی زندگی کے بعض ایسے پہلو سامنے آئے جن کی طرف ان سب لوگوں کو فوری توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کا صحیح علم و فہم عطا فرمایا ہے اور جو تبلیغ و دعوت اور اصلاح و تربیت کا فرض انجام دے سکتے ہیں۔

ہر زمانہ کی کچھ مخصوص بیماریاں ہوتی ہیں

ہر زمانہ کی کچھ مخصوص بیماریاں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جن لوگوں سے دین کا کام لیتا ہے اور جو "نفوسِ زکیہ" کہلاتے ہیں ان کے اندر اللہ تعالیٰ ان بیماریوں کے دور کرنے یا اس فساد کا مقابلہ کرنے کا ایسا قوی داعیہ پیدا کر دیتا ہے جس کو وہ دبا نہیں سکتے۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ جن لوگوں نے میری کتاب "تاریخِ دعوت و عزیمت" کا سلسلہ پڑھا ہے یا تاریخِ اسلام میں اصلاحی و تجدیدی تحریکوں پر ان کی وسیع و غائر نظر ہے ان کو اندازہ ہوگا کہ کسی زمانہ میں فتنۂ شرکِ جلی تھا، کسی زمانہ کا بدعات، جاہلی رسوم، غیر قوموں کے عادات و رسوم کی تقلید اور ان کے شعائر کا اختیار کرنا، کسی زمانہ کا فتنہ وحدۃ الوجود کا غالی فلسفہ تھا، کسی زمانہ کا فتنہ "وحدتِ ادیان" کی گمراہ کن دعوت، کسی زمانہ کا فتنہ فلسفۂ یونان اور عقلیت سے حد سے بڑھی ہوئی مرعوبیت، اور اس کو معصوم عن الخطا سمجھنے کی حد تک پہونچی ہوئی عقیدت و فریفتگی، کسی زمانہ کا فتنہ باطنیت اور اسرار فروشی، مغز و پوست کی تقسیم اور شریعت و فرائض و احکام کی تحقیر اور اس کا استخفاف، یہ سب اپنی جگہ پر اپنے

وقت کے سنگین ترین فتنے تھے اور بد قسمتی سے ان کے سائے عالمِ اسلام کے فکر و عمل پر اب بھی کہیں کہیں موجود ہیں۔ بعض تو پورے طور پر موجود ہیں جیسے شرکِ جلی جس کے کھلے ہوئے مظاہر اب بھی بہت سی مسلمان آبادیوں میں نظر آتے ہیں۔ بدعات کی اب بھی بہت سے اسلامی معاشروں میں گرم بازاری ہے۔ وحدتِ ادیان اور بعض ملحدانہ خیالات، ملحدانہ فلسفے اور ملحدانہ عقائد کے اثرات بھی موجود ہیں اور وہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ عالمِ اسلام کے علمی و فکری مراکز اور اُمّت کے نبّاضوں کو ان سے چوکنّا رہنا چاہیے اور حضرت عمرو بن العاصؓ فاتحِ مصر کی اس وصیّت پر عمل پیرا رہنا چاہیے جو انھوں نے مصر کے مسلمانوں کو کی تھی:

"تم ہمیشہ اپنے کو محاذ جنگ پر سمجھو اور یہ سمجھتے رہو کہ تم سرحد کی حفاظت پر مامور ہو"

اَنْتُمْ فِی رِبَاطٍ دَائِمٍ۔

حج عالمِ اسلام کے جائزہ کے لیے بہترین موقع

عالمِ اسلام کا اگر حقیقت پسندانہ، عمومی اور عالم گیر جائزہ لینا ہو تو حج سے بہتر موقع نہیں۔ اگر کسی کو ان تبدیلیوں کو معلوم کرنا ہو جو عالمِ اسلام کی علمی، فکری اور اعتقادی سطح پر رونما ہوئیں اور ان کمزوریوں سے واقف ہونا ہو جن کے بہت سے اسلامی ممالک اور مسلم معاشرے شکار ہوئے تو حج کے موقع پر چلا جانا چاہیے بشرطیکہ

جانے والوں کی آنکھیں بھی کھُلی ہوں، کان بھی کھُلے ہوں اور دماغ کے دروازے بھی بند نہ ہوں۔ وہ ایک جگہ سب کچھ پڑھ سکتا ہے اور یہ دیکھ سکتا ہے کہ عالمِ اسلام کن چیزوں میں ترقی کر رہا ہے اور کس چیز میں تنزّل کا شکار ہے، کس تناسب سے ترقی ہو رہی ہے اور کس تناسب سے کمزوری یا بیماری بڑھ رہی ہے۔

عالمِ اسلام میں اس وقت کئی طرح کی کمزوریاں نفوذ کر چکی ہیں۔ ہر طرح کی بے ترتیبی کا عکس وہاں نظر آئے گا۔ بے شعوری، بدسلیقگی، بات کا نہ ماننا، نظام پر نہ چلنا، وحدت کی کمی، اجتماعیت کی کمی، دین کی بنیادی باتوں (مبادی) سے ناواقفیت، دین سے دُوری، یہ ساری چیزیں آپ کو وہاں ملیں گی۔ اس کی ایک معمولی مثال ہے کہ میں نے مغرب کی نماز سے عشاء کی نماز تک (جس میں عام طور پر لوگ حرم شریف اور مسجدِ نبویؐ میں حاضر رہنا پسند کرتے ہیں) حرم شریف میں خانہ کعبہ کے بالکل نزدیک مطاف سے قریب، لوگوں کو مسلسل دنیاوی باتیں اس طرح کرتے سُنا جیسے کوئی ٹیپ ریکارڈر ہو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی گاؤں کے چوپال میں بیٹھے ہوئے حقّہ پیتے ہوئے چند احباب باتیں کر رہے ہیں[1]۔ جیسے اس کا شعور ہی نہیں کہ ہم کہاں آئے ہیں؟ کن ارمانوں اور دعاؤں سے آئے ہیں؟ کہاں بیٹھے ہیں؟ اور یہ حاضری دوبارہ نصیب ہوگی یا نہیں؟

---

[1] افسوس ہے کہ اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہندوستانی یا پاکستانی حجاج میں زیادہ ہوا۔ انڈونیشی اور عرب اور خصوصیت کے ساتھ ترک حجاج اس سے عام طور پر محفوظ اور حرمین شریفین کے ادب و احترام میں ممتاز نظر آتے ہیں۔

خیال آتا تھا کہ اب حج وہی شخص کرے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے جذبہ کے ساتھ ذوق بھی دیا ہے لیکن تجربہ اور مشاہدہ اس کے خلاف ہوا۔ کئی مرتبہ زبان پر آتے آتے رہ گیا کہ حاجی صاحب! کچھ تو شرم کیجیے اللہ کا فضل ہے کہ آپ بیت اللہ شریف سے قریب ہیں، چند ہی گز کا فاصلہ ہے کبھی کبھی تو طواف کا دائرہ وسیع ہوتے ہوتے ایسا قریب آجاتا تھا کہ ہم کو پیچھے ہٹ کر بیٹھنا پڑتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ سانس لیے بغیر دنیا کی باتیں ہورہی ہیں۔ ہم کس جہاز سے آئے ہیں۔ تم کس جہاز سے جاؤ گے؟ تم نے کیا خریدا؟ تمھارا معلّم کیسا ہے؟ ہمارا معلّم کیسا ہے؟ مکان کیسا ملا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ پھر کہتے کہتے رُک جاتا کہ معلوم نہیں کیا جواب ملے گا؟ کہیں زبان سے کوئی ویسا کلمہ نہ کہہ دیں کہ اور گنہگار ہوں۔

حکومت نے اپنی طرف سے انتظامات میں کوئی کمی نہیں کی۔ ایک راستہ آنے کا، ایک راستہ جانے کا مقرر ہے اور وہ وسیع اور کشادہ ہے لیکن بے نظمی یا بے ضابطگی، مسلمان کی بے حرمتی، خود غرضی اور نفسانیت کا کیا علاج ہے؟ رمی جمرات میں کتنے آدمی کتنی عورتیں اور بوڑھے کچل کر جاں بحق ہوئے۔ نظافت کبھی اسلام کا شعار تھا دنیا جانتی تھی کہ مسلمان صاف ستھرا رہتا ہے۔ نجاست سے دور رہتا ہے اور اس سے اس کو کراہیت ہوتی ہے۔ اِن سب چیزوں میں برابر تنزل کا مشاہدہ ہو رہا ہے اور معلوم نہیں بات کس حد تک پہونچ گئی ہے؟

ادب و احترام تو کجا، فرائض میں بھی کوتاہی

یہ معاملہ تو حرم شریف کے ادب و احترام اور وہاں کی حاضری کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا جو فضل و انعام ہوا ہے اس کی قدر اور اس سے فائدہ اٹھانے کا ہے، اور اس میں کوتاہی اور غفلت بے شک افسوس ناک بات اور تعجب خیز امر ہے مگر اس سے زیادہ افسوس ناک اور حیرت انگیز معاملہ فرائض و ارکان کا ہے تقریباً ہر حج کے موقع پر (اور اس حج کے موقع پر بھی دیکھا) کہ نویں ذی الحجہ کو منیٰ سے عرفات روانگی کے موقع پر (جو علی الصباح ہوتی ہے) صبح صادق ہونے کا انتظار کیے بغیر فجر کی نماز کا وقت ہونے سے ایک گھنٹہ اور بعض اوقات اس سے بھی قبل فجر کی نماز وہ بھی جماعت کے ساتھ پڑھ کر مختلف ممالک کے حجاج عرفات کو روانہ ہو گئے۔ تاکہ سہولت کے ساتھ پہونچ سکیں۔ کتنا ہی سمجھایا گیا کہ ابھی فجر کا وقت نہیں ہوا، نماز نہیں ہوگی، مگر کون مانتا ہے۔ حکومت کی طرف سے انتظام ہے کہ طلوعِ صبحِ صادق کا اعلان توپ کے ذریعہ ہوتا ہے، مگر کسی کو پرواہ نہیں۔ ایک مرتبہ خصوصی مہمانوں کے لیے حکومت کی طرف سے منیٰ میں ایک ڈیرہ لگایا گیا تھا، میں بھی اپنے رفقاء کے ساتھ وہاں تھا۔ صبح صادق ابھی نہیں ہوئی تھی اس میں خاصا وقفہ تھا کہ حجاج نے اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ نماز پڑھنی شروع کر دی۔ ایک عرب عالِم کو اس پر بڑا غصہ آیا، مجھ سے کہا کہ میں عربی میں اعلان کرتا ہوں کہ ابھی صبح نہیں ہوئی، نمازِ فجر ادا نہیں

ہوئی، تم اُردو، انگریزی وغیرہ میں اعلان کردو۔ اعلان کیا گیا مگر کسی نے سماعت نہیں کی اور نماز پڑھ کر روانہ ہو گئے۔ یہی حال مزدلفہ سے منیٰ کی روانگی کے موقع پر ہوتا ہے۔ اس مرتبہ پھر یہ منظر دیکھنے میں آیا کہ صبحِ صادق سے گھنٹے گھنٹے بھر پیشتر مختلف ملکوں کے لوگ نمازِ فجر (وہ بھی جماعت کے ساتھ) پڑھ کر منیٰ کی طرف چل پڑے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک رکن ادا کرنے آئے (جس میں سُنَن اور مستحبات تک کی رعایت کرنی چاہیے) اور اسلام کے رکنِ اعظم نماز کو اس طرح ضائع کیا کہ نیکی برباد گناہ لازم۔

مختلف اغراض کے لیے حج کرنے والوں کی کثرت اور اس کے مفاسِد

دوسرا پہلو جو حج کے سلسلہ میں شدّت کے ساتھ محتاجِ توجہ ہے اور اس سلسلہ میں ایک عالمگیر کوشش اور جدّوجہد کرنے اور ایک مستقل مہم چلانے کی ضرورت ہے۔ وہ نفلی حج ہی نہیں، مختلف اغراض و مقاصد کے لیے حج کرنے والوں کی کثرت ہے جس نے فرض حج کرنے والوں اور حکومت، دونوں کے لیے سخت دشواریاں اور ناقابلِ عبور مشکلات پیدا کردی ہیں اور حج کے تقدّس اور حُرمت ہی کو نہیں اس کی نیک نامی اور شہرت کو بھی سخت نقصان پہونچایا ہے بلکہ اسلام کی شہرت و عزّت کو داغ لگایا ہے اور اس کو خویش اور اغیار کی نگاہ میں سخت بے وقعت اور

مشکوک بنادیا ہے۔ اِن دُنیاوی اغراض کے علاوہ جن کے متعلق کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں، نفلی حج کا معاملہ بھی قابلِ نظرِ ثانی اور علماء اور اہلِ شعور کے لیے قابل غور اور قابلِ توجہ بن گیا ہے۔ وسائلِ سفر کی کثرت اور دولت کی بہتات، سعودی عرب میں معیشت اور حصولِ دولت کے ذرائع و مواقع کی فراوانی نے مسئلہ کو اور پیچیدہ بنا دیا ہے۔

امام غزالیؒ نے اپنی زندہ جاوید اور شہرہ آفاق کتاب "احیاء علوم الدین" میں اس نفلی اور دنیاوی مقاصد سے بار بار حج کرنے کے رجحان پر (جو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانہ میں بھی پیدا ہو گیا تھا) بڑی حقیقت پسندانہ اور فقیہانہ تنقید کی ہے اور اس سلسلہ میں فقیہہ اُمّت، صحابیٔ جلیل، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک حکیمانہ قول نقل کیا ہے جس کو پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے وہ اس زمانہ کو دیکھ کر فرما رہے ہیں۔ امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

"اِن دولت مندوں میں ——— بہت سے لوگوں کو حج پر روپیہ صرف کرنے کا بڑا شوق ہوتا ہے، وہ بار بار حج کرتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو بھوکا چھوڑ دیتے ہیں اور حج کرنے چلے جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے صحیح فرمایا ہے کہ آخیر زمانہ میں بلا ضرورت حج کرنے والوں کی کثرت ہوگی، سفر اُن کو بہت آسان معلوم ہوگا، روپیہ کی اُن کے پاس کمی نہ ہوگی۔ وہ حج سے محروم و تہی دست واپس آئیں گے، وہ خود ریتوں اور چٹیل میدانوں کے درمیان سفر کرتے ہونگے

اور ان کا ہمسایہ ان کے پہلو میں گرفتارِ بلا ہوگا۔ اس کے ساتھ کوئی سلوک
اور غم خواری نہ کریں گے۔[1]"

عوام کی دینی و ذہنی تربیت کی شدید ضرورت

یہ ایک پوری داستان ہے، بعض لوگوں نے بتایا کہ ایک غیر عرب مسلم ملک کے اخباروں میں چھپا ہے کہ آج سونے کا یہ نرخ ہے اور حاجیوں کے پہلے جہاز کے آنے کے بعد یہ نرخ ہو جائے گا۔ کسی کہنے والے نے سچ کہا ہے کہ حج پر ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے اور حج کی مٹی پلید کی جا رہی ہے۔ اس سے بھی گر کر بعض غیر اخلاقی مقاصد و منافع کے لیے (جن کا نام بھی زبان پر لانا اچھا نہیں معلوم ہوتا) مستقل ایجنسیاں قائم ہیں۔ یہ ایک خاص موضوع ہے اور اس پر ایک خاص نظام کے ساتھ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی عوام میں دین کا کام کرنے، ان کی دینی و ذہنی تربیت کی کس قدر ضرورت ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ عوام میں دین کا رہنا اسلام کی بقا و حفاظت کے لیے آہنی حصار کا کام دیتا ہے۔ اگر عوام میں دینی شعور، دینی حمیت اور دین سے محبت ختم ہوگئی تو خواص کو (جن کے بڑے طبقے نے اپنی قسمت و قیمت اقتدار و کرسی سے وابستہ سمجھ رکھی ہے) کسی چیز کا خطرہ باقی نہیں رہے گا ——— اور وہ کھل کھیلیں گے۔ "سلطانیٔ جمہور" کے اس دور میں ان کو خوفِ خدا نہیں، خوفِ عوام

---

[1] احیاء العلوم ج ۳، ص ۲۴۵

(جو خدا کے فضل سے ابھی اسلام سے وابستہ ہیں) اسلام کے خلاف کھلی محاذ آرائی اور اعتقادی ارتداد کی دعوت دینے سے روکے ہوئے ہیں، جس دن یہ حصار ٹوٹا، اس دن یہ سیلاب سب کو بہا کر لے جائے گا۔

انبیاءؑ نہ اپنی دعوت بدلتے ہیں نہ دعوت کی زبان

جہاں تک خواص اور تعلیم یافتہ طبقے بلکہ اہلِ فکر و اہلِ قلم کا تعلق ہے، اس کا سب سے بڑا ابتلا جس کی طرف بہت کم لوگوں کی نظر جاتی ہے (اور افسوس ہے کہ اہل نظر کی نظر بھی) وہ دین کو مادّی طریقے سے سمجھنے اور سمجھانے کا انداز، اس کے مادّی مقاصد اور فوائد پر زور، اور دین کو جدید سیاسی نظاموں کی اصطلاحات میں پیش کرنے کا رجحان ہے۔ یہ ایک ایسی نازک چیز ہے کہ اس کا ضرر بہت کم لوگوں کو محسوس ہوتا ہے۔ عام طور سے کہا جاتا ہے کہ اگر کسی کے دل میں دین کی عظمت اسی راستہ سے بٹھا دی جائے تو اس میں کیا خرابی ہے؟ لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ انبیا علیہم السلام سے بڑھ کر کوئی حکیم، اُن سے بڑھ کر اپنے زمانہ کی نفسیات سمجھنے والا، پھر اسی کے ساتھ اشاعتِ دین کا کوئی حریص نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید کی کتنی آیتیں ہیں جن میں ان کی اس فکر مندی، لوگوں کی ہدایت کی حرص اور ان کی موجودہ حالت پر اُن کی دردمندی اور دل سوزی کا مضمون بیان کیا گیا ہے۔

سورۂ شعراء میں فرمایا گیا ہے:

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ[1]

(اے پیغمبر) شاید تم اس (رنج) سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے، اپنے تئیں ہلاک کر دو گے۔

سورۂ فاطر میں آتا ہے:۔

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُکَ عَلَیْهِمْ حَسَرٰتٍ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ[2]

آپ ان پر افسوس کھا کھا کر ہلاک نہ ہو جائیں۔ اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کر رہے ہیں۔

سورۂ توبہ میں فرماتا ہے:۔

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ[3]

(لوگو!) تمھارے پاس تمھیں میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں، تمھاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے، اور تمھاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔

---

[1] سورہ شعراء، آیت ۳ [2] سورۂ فاطر آیت ۸ [3] سورۂ توبہ آیت ۱۲۸

ایک طرف تو اُن کو یہ فکر اور حرص ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اُن کی دعوت قبول کر کے جہنم سے نجات پائیں اور جنت کے مستحق بنیں۔ دوسری طرف ان کی وہ حکمت و بلاغت ہوتی ہے جس کی نظیر کسی طبقہ میں نہیں مل سکتی۔ اس کے باوجود انھوں نے اپنے مخاطبین کو کبھی کوئی ذہنی رشوت نہیں دی۔ انبیأ نہ اپنی دعوت کو بدلتے ہیں نہ دعوت کی زبان اور نہ دعوت کی تفہیم کے طریقے کو بدلتے ہیں۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الفاظ تک کا خیال کیا ہے۔ جمعہ کا نام جاہلیت میں "العروبۃ" تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے استعمال کو منع فرمایا کہ اس میں جاہلیت کی بُو آتی ہے۔

اسلام کو بحیثیت ایک تحریک پیش کرنے کا سبب مغربی فلسفہ سے مرعوبیت

اسلام کو ایک نظام اور تحریک کے طور پر پیش کرنے، اس کے سیاسی، تنظیمی، تمدنی فوائد بیان کرنے میں انہماک اور اسی پہلو پر زور دینے کے اسباب میں ان سیاسی حالات، نام نہاد مسلم حکومتوں کے رویّے، اور ان کی ہر ایسی چیز سے وحشت اور خوف کو بھی دخل ہے جس میں سیاست کی بُو بھی آتی ہے اور جس سے کسی متوازی تنظیم یا قیادت کے اُبھرنے کا وہم پیدا ہوتا ہے۔ اس کا دوسرا باعث ان مسلمان اہل قلم کی تحریریں، اور ان کی اسلام کی ترجمانی بھی ہے جو مغربی فلسفوں، سیاسیات، نظاموں کے مطالعہ اور وہاں کے تمدنوں و معاشرہ کی ناکامی کے مُشاہدے اور تجربہ کی راہ

سے اسلام کے مطالعہ اور ایمان و اعتقاد کی منزل تک پہونچے اور اس کی حقیقت نے ان کو اسلام کی صداقت اور عظمت کا قائل اور گرویدہ بنایا۔ عالمِ عربی میں خاص طور پر یہ بات کمزوری کی حد تک پہونچی ہوئی ہے۔

اِن ملکوں کی صورتِ حال نے خواص اور دینی جماعتوں کے قائدین میں دین کی سیاسی تفہیم کا عمومی رجحان پیدا کر دیا ہے۔ وہ سمجھنے لگے ہیں کہ ان کے بغیر ہم نوجوان تعلیم یافتہ طبقے کو دین کی طرف متوجہ نہیں کر سکتے۔ اُس کی عملی قدر و قیمت کا احساس نہیں کرا سکتے اور اُن میں نیا جذبہ اور حرکت نہیں پیدا کر سکتے۔ اِس وقت وہاں ایک ایسی غیر اختیاری صورت پیدا ہو گئی ہے جو دین کی اصل روح کے لیے ایک ابتلاء ہے۔ "فتنہ" کی خاصیت یہ ہے کہ وہ فتنہ نہ معلوم ہو۔ اس وقت کا فتنہ یہ ہے کہ بڑے سے بڑے عالِم، بڑے سے بڑے مسلمان دانشور، اور بڑے سے بڑے مخلص دین کو اس انداز میں پیش کر رہے ہیں جس انداز میں انبیاء علیہم السلام نے پیش نہیں کیا۔

اس کی ایک مثال اور نمونہ حج ہے۔ بہت سے مسلمان اہلِ قلم اور دین کے داعی اور ترجمان کہنے لگے ہیں کہ حج ایک عالمی، بین الاقوامی، موتمرِ اسلامی (انٹرنیشنل اسلامی کانفرنس) ہے جس کا مقصد ملّت کے مسائل پر تبادلۂ خیال اور غور و فکر اور ان کے حل کے وسائل تلاش کرنا ہے۔ میں سالہا سال سے دیکھ رہا ہوں کہ اس طرح بے محابا حج کو پیش کیا جاتا ہے۔ جب میں نے چار، پانچ سال پہلے مسجدِ نمرہ میں عین عرفات کے خطبہ میں محترم خطیب صاحب کو یہ کہتے سنا کہ حج ایک "موتمرِ اسلامی" ہے تو مجھے

اندازہ ہوا کہ بات کہاں تک پہونچ چکی ہے اور اب مسلمان دانشوروں اور حج پر لکھنے والوں میں یہ عام ذہن بن چکا ہے۔

میرا اسی سال منیٰ میں رابطۂ عالم اسلامی کی عمارت میں قیام تھا، جہاں رابطہ کے ارکان اور مختلف ممالک کے ممتاز ترین علماء اور حکومت کے بہت سے معزز مہمان ٹھہرے ہوئے تھے۔ مختلف ممالک کے حج کے وفود اور امریکہ کے نومسلم بلالی مسلمان بھی خاصی تعداد میں تھے۔ وہاں حج کے فوائد اور مناسک پر متعدد تقریریں ہوئیں مگر کسی نے کوئی تقریر اس موضوع پر نہیں کی کہ حج کی روح کیا ہے اور اس کے اسرار و مقاصدِ اصلی کیا ہیں؟ اخیر میں مجھ سے فرمائش کی گئی کہ میں ان بلالی مسلمانوں کے سامنے حج کے موضوع پر تقریر کروں، وہ سب مشتاق ہیں۔ میں نے کہا کہ میں عربی میں تقریر کروں گا۔ اس موقع پر رابطہ کے ارکان اور عالمِ اسلام کے چیدہ علماء اور معزز مہمان سب تشریف رکھتے ہوں تو بہتر ہے۔ اسی پر عمل ہوا۔ رابطہ کے جنرل سیکریٹری (الامین العام) معالی الشیخ محمد علی الحرکان بھی جو خود بھی جلیل القدر عالم اور محدث ہیں اور اپنے اس عہدہ سے پہلے مملکت سعودیہ کے وزیر العدل (وزیر قانون) رہ چکے ہیں اور میرے پرانے دوست ہیں، تشریف رکھتے تھے۔ اقوام متحدہ (نیویارک) میں رابطہ کے آفس کے شعبۂ دعوت کے انچارج عزیزی مولوی مزمل حسین صدیقی ندوی نے اس کا ترجمہ انگریزی میں کیا جو امریکہ میں بھی میری تقریر کا ترجمہ کر چکے ہیں۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اس مرتبہ دل کھول کر حج کی حقیقت اور روح پر تقریر کروں گا۔

اسلام کے چار عملی ارکان

میں نے کہا کہ حضرات! اسلام کے چار عملی رکن ہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج۔ ان میں سے ہر ایک کا ایک محور ہے جس کے گرد وہ گھومتا ہے۔

نماز کا محور

نماز کا محور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ[1] ؕ

اور میری یاد کے لیے نماز پڑھا کرو۔

دوسری آیت:

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ[2] ؕ

اور خدا کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔

نیز ارشاد ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ[3] ؕ

---

[1] سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۴۔

[2] سورۂ بقرہ آیت ۲۳۸، یہ آیت نماز کے ذکر کے سیاق میں ہے مکمل آیت ہے: حَافِظُوْا عَلَى الصَّلٰوتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ؕ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ؕ

[3] سورۂ مومنون آیت ۱۔ ۲

بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے، جو اپنی نماز میں عجز
و نیاز کرتے ہیں۔

یہ ہے نماز کا محور، نماز کی اصل روح، ادب، خشوع و خضوع اور قیام
و سکوت ہے۔

زکوٰۃ کا محور

زکوٰۃ کے متعلق ارشاد ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ
وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ
سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ [1]

اُن کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کرلو کہ اِس سے تم ان کو
(ظاہر میں پاک) اور (باطن میں) پاکیزہ کرتے ہو اور اُن کے
حق میں دُعائے خیر کرو کہ تمھاری دُعا اُن کے لیے موجب
تسکین ہے اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

دوسری جگہ زکوٰۃ کے مصارف بیان کیے گئے ہیں، فرمایا گیا ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ
عَلَيْهَا، وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ

---

[1] سورۃ التوبہ آیت ۱۰۳

وَالْغَارِمِيْنَ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ [1]

صدقات (یعنی زکوٰۃ وخیرات) تو مفلسوں، محتاجوں اور کارکنانِ صدقات کا حق ہے، اور ان لوگوں کا جن کی تالیفِ قلوب منظور ہے، اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قرض داروں (کے قرض ادا کرنے) میں اور خدا کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد) میں (بھی یہ مال خرچ کرنا چاہیے) یہ حقوق خدا کی طرف سے مقرر کر دیے گئے ہیں اور خدا جاننے والا، حکمت والا ہے

اس طرح زکوٰۃ کی تشریعی حکمت، اموال ونفوس کا تزکیہ وتطہیر، رضائے خداوندی کا حصول، رحمتِ الٰہی کا نزول، مساکین وفقراء کے ساتھ مواساۃ وغم خواری، ضرورت مندوں کی حاجت براری اور مرضِ حرص وبخل اور اکتناز (دولت کی ذخیرہ اندوزی) سے حفاظت ہے۔

روزہ کا محور

روزہ کا محور ہے تقویٰ (احتیاط ولحاظ) کی عادت (پرہیزگاری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ [2]

---

[1] سورہ التوبہ آیت ۶۰

[2] سورہ البقرہ آیت ۱۸۳

مومنو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں، جس طرح
تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار ہو۔

تم سے روزے اس لیے رکھوائے جاتے ہیں تاکہ تم میں تقویٰ کا ملکہ پیدا ہو جائے، تمھیں لحاظ کرنا آجائے، بندہ خدا کا لحاظ کرنا سیکھ جائے۔ اس کو داتا و بینا اور ہر وقت کا نگراں سمجھے، اور یہ اس کا مزاج بن جائے۔ جب اس نے خدا کے حکم اور اس کے خوف سے ایک خاص وقت میں مباحات و طیبات سے پرہیز کیا اور ان سے باز رہا تو بدرجۂ اولیٰ محرمات و مکروہات سے ہمیشہ پرہیز کرے اور ان سے باز رہے۔

حج کا محور

حج کا محور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۔ ذٰلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ [1]

پھر چاہیے کہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں اور نذریں پوری کریں اور خانۂ قدیم یعنی (بیت اللہ) کا طواف کریں۔ یہ (ہمارا) حکم ہے اور جو شخص ادب کی چیزوں کی جو خدا نے مقرر کی ہیں عظمت رکھے تو یہ پروردگار کے نزدیک اس کے حق میں بہتر ہے۔

---

[1] الحج، آیت ۲۹۔۳۰

سارا حج اصل میں اُس عشق و بے خودی کے اظہار کا ذریعہ ہے جو انسان کے اندر فطری طور پر موجود اور شرعًا و عقلاً مطلوب ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ [1]

اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ [2]

اللہ اُن سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں

حج کا ایک بڑا مقصد محبوبِ حقیقی سے والہانہ محبت کا اظہار ہے

میں نے کہا کہ حج کا ایک بڑا مقصد اپنے خالق اور محبوبِ حقیقی سے والہانہ محبت کا اظہار ہے جس طرح سے پروانہ شمع پر گرتا ہے۔ دوسرے طاعتِ مطلقہ اور امتثالِ امر ہے۔ مناسک اور ارکان حج کو ادا کرو اور اس کے عاشق و محبوب خلیل الرحمٰن کے عمل کی نقل کرو اور یہ نہ پوچھو کہ کیوں؟ اس حج کے پورے ڈھانچے میں روح ابراہیمی سرایت کیے ہوئے ہے۔ یہ حج حضرت ابراہیمؑ کے عشق، اور حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کی یادگار اور تمثیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت ہاجرہ کی پریشانی اور والہانہ کیفیت کے ساتھ دوڑنے پر پیار آیا۔ اُس نے اُس کو قیامت تک کے لیے پسند فرمالیا اور ہمیشہ کے لیے اس کو محفوظ فرمالیا۔ اب دنیا کے بڑے بڑے دانشور آئیں، اپنے

---

[1] سورۂ البقرۃ، آیت ۱۶۵　[2] سورہ المائدہ آیت ۵۴

وقت کے غزالیؒ اور رازیؒ اور ابن سینا و فارابی بھی آئیں تو وہ بھی صفا و مروہ کے درمیان اسی طرح چلیں گے جیسے حضرت ہاجرہ چلی تھیں اور جہاں حضرت ہاجرہ پریشان ہو کر دوڑنے لگیں تھیں وہاں وہ بھی دوڑیں۔ آج کوئی پوچھے کہ اب دوڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس مقام پر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ کی نظروں سے اوجھل ہو جاتے تھے تو جلدی دوڑ کر اس جگہ پہونچنا چاہتی تھیں جہاں سے حضرت اسمٰعیل نظر آتے تھے کہ شیر خوار بچہ محفوظ ہے یا نہیں، کوئی جانور تو اسے نہیں لے گیا۔ اب ہمیں اور اس زمانہ کے بڑے سے بڑے شیخ الاسلام، شیخ الازہر اور شیخ الحدیث کو دوڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہاں سے جواب ملے گا کہ ہمیں ان کا دوڑنا پسند آگیا ہے، اب اس عمل میں محبوبیت پیدا ہو گئی ہے۔ طواف میں شروع کے تین شوط میں پاؤں اٹھا اٹھا کر اور سینہ نکال کر چلتے ہیں، جس کو "رمل" کہتے ہیں۔ اب بھی اسی طرح پہلے طواف کرنا ہوتا ہے، یہ کیوں؟ اس لیے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ عمرۃ القضاؓ میں آئے تو قریش جبلِ قعیقعان پر چلے گئے کہ ہم مسلمانوں کے اس طرح آزادانہ مکہ میں آنے اور طواف کا منظر دیکھ نہیں سکتے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ مسلمان مدینہ جا کر کمزور ہو گئے ہیں، اب ان سے چلا نہیں جاتا۔ حکم ہوا کہ یہاں پر اُٹھ اُٹھ کر سینہ نکال کر چلو۔ یہ ادا اللہ کو پسند آئی اور یہ عمل سنّت قرار پایا۔

---

[1] تفصیل کے لیے سیرت کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لیے جارہے تھے۔ شیطان نے بہکایا اور اس عمل سے باز رکھنے کی کوشش کی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے غصہ میں آکر شیطان کو کنکریاں ماریں۔ اللہ کو یہ ادا بھی پسند آئی اور اُس کو زندہ جاوید بنا دیا۔ سب کو یہ کرنا ہے اگر کہیں کوئی رمی نہیں کرسکا، تو قربانی کرنا پڑے گی۔

میں نے کہا کہ امتثالِ امر کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ عرفات میں مغرب کی نماز سب ترک کر دیتے ہیں اور مُزدلفہ جاکر عشار کے وقت میں مغرب، عشاء کو جمع کر کے پڑھتے ہیں۔ مجھے تو یاد نہیں کہ مجھ جیسے گنہگار اور قاصر الہمت نے بھی برسوں میں کبھی مغرب کی نماز بغیر عذر کے بے وقت پڑھی ہو۔ قُربِ الٰہی کا عرفہ جیسا میدان جس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ شیطان کو اتنا ذلیل اور مغموم کسی دن نہیں دیکھا گیا جتنا کہ عرفہ کے دن۔ شیطان کہتا ہے کہ میری ساری محنت برباد ہوئی۔ آج کتنے آدمیوں کی مغفرت ہوگئی۔ ایسے مقامِ قُرب و رحمت میں حکم ہوتا ہے کہ مغرب کی نماز یہاں نہ پڑھو، نماز نہ پڑھیں؟ بازاروں میں نماز پڑھی، امریکہ یورپ کے پارکوں، ہوٹلوں اور ٹرین و ہوائی جہاز میں نماز پڑھی اور آج میدانِ عرفات میں نماز نہ پڑھیں، قضا کر دیں؟ ہاں قضا کرلو۔ اس لیے کہ تم ہمارے بندے ہو، نماز کے بندے نہیں ہو، ہماری بات ماننی ہوگی، عادت پر چلنا نہیں ہوگا۔ خود منیٰ سے عرفات، عرفات سے مُزدلفہ اور مُزدلفہ سے پھر منیٰ منتقل ہونا، تعمیلِ حکم اور امتثالِ امر کی واضح مثال ہے کہ کہیں کتنا ہی جی لگ

جائے اور کیسا ہی مزہ آرہا ہو اپنی خواہش اور ذوق کے مطابق قیام کی اجازت نہیں ہے۔
ہم جہاں کہیں جاؤ، اور جتنا کہیں اتنا ٹھہرو۔

حج کا دوسرا بڑا مقصد ملّتِ ابراہیمی کو مزاجِ ابراہیمی سے مربوط کرنا

میرے محدود علم و مطالعہ میں حج کے مقاصد و فوائد پر حکیم الاُمّت حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے زیادہ جامع اور بہتر کسی نے نہیں لکھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حج کا ایک بڑا مقصد ملّت ابراہیمی کو حضرت ابراہیمؑ کے مزاج سے مربوط کرنا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ قیامت تک یہ ملّت حضرتِ ابراہیمؑ سے مربوط رہے جو اس دین کے بانی ہیں۔

مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ ط [1]

تمھارے باپ ابراہیم کا دین، اسی نے پہلے تمھارا نام مسلمان رکھا تھا۔

اور ان سے مربوط ہونے کا مقام مکّہ اور اس کے نواحی واطراف ہیں، وہاں جاکر دیکھ آؤ کہ وہ کیا کرتے تھے۔ وہاں ان کا بنایا ہوا اللہ کا گھر (کعبہ) موجود ہے۔ وہ مسعیٰ ہے، یہ صفا و مروہ ہے، یہ عرفات و مُزدلفہ و منیٰ ہیں جہاں انھوں نے اپنے عشق اور جذبۂ قربانی اور ایثار و فدائیت کا اظہار کیا تھا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ ملّت جہاں بھی رہے ہمیشہ حضرت ابراہیمؑ سے مربوط و وابستہ رہے۔ اسی میں اس ملّت کے

---

[1] سورۂ الحج آیت ۸،

ابراہیمی و محمدیؐ مزاج اور خمیر کی حفاظت اور ملتوں اور قوموں میں اس کا تشخص و امتیاز ہے۔

حج کا تیسرا بڑا مقصد اُمّت کو تحریف سے بچانا

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے دوسری بات یہ لکھی ہے، اور یہ کیسا قیمتی نکتہ اور کتنا عمیق فہم دین ہے کہ حج کا تیسرا بڑا مقصد اُمّت کو تحریف سے بچانا ہے۔ محلہ کی سطح پر تحریف سے بچانے کا ذریعہ مسجد میں نماز باجماعت ہے۔ اگر کسی کی نماز میں کوئی بدعت شامل ہو گئی ہے یا وہ کوئی غلطی کر رہا ہے تو اس کی تصحیح مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے سے ہو جائے گی اور صحیح و غلط کا تقابل ہو جائے گا۔ شہر اور بستی کی سطح پر اگر تحریف ہو تو اس کی اصلاح اور ناواقفیت یا مغالطہ کے ازالہ کی جگہ جامع مسجد ہے۔ اس سے بڑے پیمانہ پر ہو تو عیدگاہ، اور اگر اس سے بھی بڑے پیمانہ پر عالمِ اسلام کے کسی حصّہ یا ملک میں تحریف رونما ہو تو اس کا علاج حج کے موقع پر حرمین شریفین کی حاضری ہے۔ وہاں آ کر دیکھیے کہ ہم کیا نماز پڑھتے تھے کیا غلط عمل کر رہے تھے، کیسا غلط عقیدہ رکھتے تھے، کون سا غیر اسلامی شعار اختیار کیے ہوئے تھے[2]۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے نزدیک حج مرکزِ اسلام میں اُمّتِ اسلامیہ کی سالانہ پیشی (عرضۃ) اور حاضری ہے، تاکہ اس کا عمومی جائزہ لیا جائے، اور اس کے متعلق اطمینان حاصل کیا جائے کہ وہ مسلکِ ابراہیمی و محمّدیؐ پر چل رہی ہے

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ ج ۲، ص ۴۲، یا مصنّف کی کتاب "ارکانِ اربعہ" رکن حج

[2] حجۃ اللہ البالغہ۔ ج ۱، ص ۵۹-۶۰

یا نہیں۔

میں نے کہا کہ اگر حج نہ ہوتا تو ایک امریکن اسلام ہوتا اور ایک یورپین اسلام، ایک ہندوستانی اسلام ہوتا اور ایک پاکستانی اسلام، اگر کوئی ٹوکتا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو تو کہا جاتا کہ ہمارے یہاں تو پشتیں اسی پر عمل کرتے ہوئے گزر گئی ہیں۔ لیکن حج کے اجتماع عام میں جا کر جہاں عوام و خواص، علماء و فقہاء جمع ہوتے ہیں سب کی قلعی کھل جاتی ہے جس طرح کھیت میں کسان کے ارادے اور مرضی کے بغیر گھاس پھوس اُگ آتی ہے اور بعض مرتبہ ایسے جھاڑ جھنکاڑ پیدا ہو جاتے ہیں جو اصل زراعت کے لیے مضر ہوتے ہیں (ان کو مصر میں الحشائش الشیطانیہ کہتے ہیں) اسی طرح اسلام کی کھیتی میں، عالم اسلام کے دور دراز گوشوں میں ایسے جھاڑ جھنکاڑ پیدا ہو سکتے ہیں جو "تحریف"، "بدعت" اور "اعمال محدثہ" کہلاتے ہیں۔ ان جاہلی رسم و رواج، خود ساختہ عبادات، اور اوہام و خرافات کی حج میں بیخ کنی ہو جاتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے یہ بے نظیر بات لکھی ہے کہ امّت کو تحریف سے بچانے کے لیے حج بہترین انتظام ہے۔ اگر امّت میں تحریف ہو جائے تو رہنے نہ پائے اس ملک کا (جہاں تحریف ہوئی ہے) کوئی نہ کوئی آدمی آئیگا اور دیکھ کر جائے گا، اور واپس جا کر کہے گا کہ تم کیا کر رہے ہو ہم تو مکّہ میں اس طرح دیکھ کر آئے ہیں۔

میں نے کہا کہ ہر لفظ اپنے ساتھ کچھ خصوصیات لے کر آتا ہے۔ اس کی ایک تاریخ، پس منظر (خلفیات) ہوتے ہیں۔ لفظ "مؤتمر" کا بھی ایک پس منظر ہے اس کے ساتھ بہت

سے تاثرات اور تجربات وابستہ ہیں۔ ان سے اس کو منقطع اور مجرّد کرنا مشکل ہے۔ بیشک ملاقات و تعارف اور موقع ملے تو مسلمانوں کے مسائل پر مشورہ اور تبادلۂ خیال ممنوع اور مکروہ نہیں بلکہ مستحسن ہے مگر یہ حج کے بالکل ضمنی اور ثانوی فوائد ہیں ہے۔ اگر مشورہ اور تبادلۂ خیال، بحث و مباحثہ اور غور و فکر ہی حج کا اصل مقصد ہوتا تو صرف اہلِ حلّ وعقد دانشوروں اور عالمِ اسلام کے ماہرینِ اقتصادیات و سیاسیات اور وہاں کے زعماء و قائدین ہی کو حج کی دعوت دی جاتی جیسا کہ مؤتمرات و ندوات، کانفرنسوں اور سیمیناروں میں دستور ہے اور دعوت میں اس تعمیم و اطلاق سے کام نہ لیا جاتا کہ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً (جس کو زاد و راحلہ کی قدرت ہو وہ حج کو ضرور آئے) پھر کہیں اطمینان سے چند روز رہنے کا نظام بنایا جاتا۔ حج کے اصل دن (۸ ذی الحجہ سے ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ تک) نقل و حرکت اور مناسکِ حج کی مشغولیت کا زمانہ ہے۔ وقوفِ عرفات، مزدلفہ میں شب گذاری، منیٰ میں رمی، قربانی اور طوافِ زیارت وغیرہ کی مشغولیت، مؤتمر اور مجلسِ مذاکرہ کے ماحول و مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔

اسلام کے ہر رکن اور ہر حکم کے مادّی، سیاسی اور تمدنی فوائد بیان کیے جائیں۔ یہ بات بقدرِ ضرورت اور بوقتِ ضرورت ٹھیک ہے۔ اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا، اور علمائے اسلام نے یہ خدمت تناسب اور توازن کے ساتھ ہر دور میں انجام دی ہے لیکن اس کو اصل مقاصد اور فوائد کا درجہ دینا صحیح نہیں۔ اس سے خطرہ ہے کہ ذہن مادّی بن جائے گا۔ رضائے الٰہی کے حصول کا شوق، اجر و ثواب کی لالچ، آخرت میں اس

کے فائدے کا یقین، اور "ایمان و احتساب" (جو ہر عمل کی رُوح، اور اس میں وزن و قیمت پیدا کرنے کی شرط ہے) کا پہلو نہ صرف مغلوب بلکہ منفی اور معدوم ہو کر رہ جائے گا۔ یہ فرد و جماعت کے لیے بڑا خسارہ اور دین کے لیے ایک بڑے تغیر و تحریف کا سرچشمہ ہے۔

دین کو اسطرح پیش کرنا چاہیے جس طرح انبیاؑ نے پیش کیا ہے

اس وقت کا بڑا عظیم الشان کام یہ ہے کہ دین کو اسی رنگ میں پیش کیا جائے جس رنگ میں انبیا علیہم السلام نے پیش کیا۔ البتہ اس کے لیے بہتر سے بہتر زبان اور بہتر سے بہتر اسلوب اختیار کیا جا سکتا ہے تاکہ وہ بات ذہن نشین ہو اور قلب و دماغ اس کو قبول کر لیں۔ یہ اہلِ دعوت، مسلمان اہلِ فکر و اہلِ قلم کے کام کرنے کا اصل میدان اور وقت کا اہم ترین تقاضہ ہے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے علم کی صحیح دولت، فہم قرآن، دعوت و علوم انبیاء سے مناسبت اور دین کی صحیح حمیّت و غیرت عطا فرمائی ہے۔ پھر عصر حاضر کے ذہن پر اثر ڈالنے والے اسالیبِ بیان پر بھی قدرت رکھتے ہیں ان کے لیے اس وقت حصولِ سعادت کا زرّین موقع ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سروشِ غیب کی آواز کانوں میں آئے ؎

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند
کس بمیداں در نمی آید سواراں راچہ شد!

بدر کا وہ مقام جہاں جنگ لڑی گئی
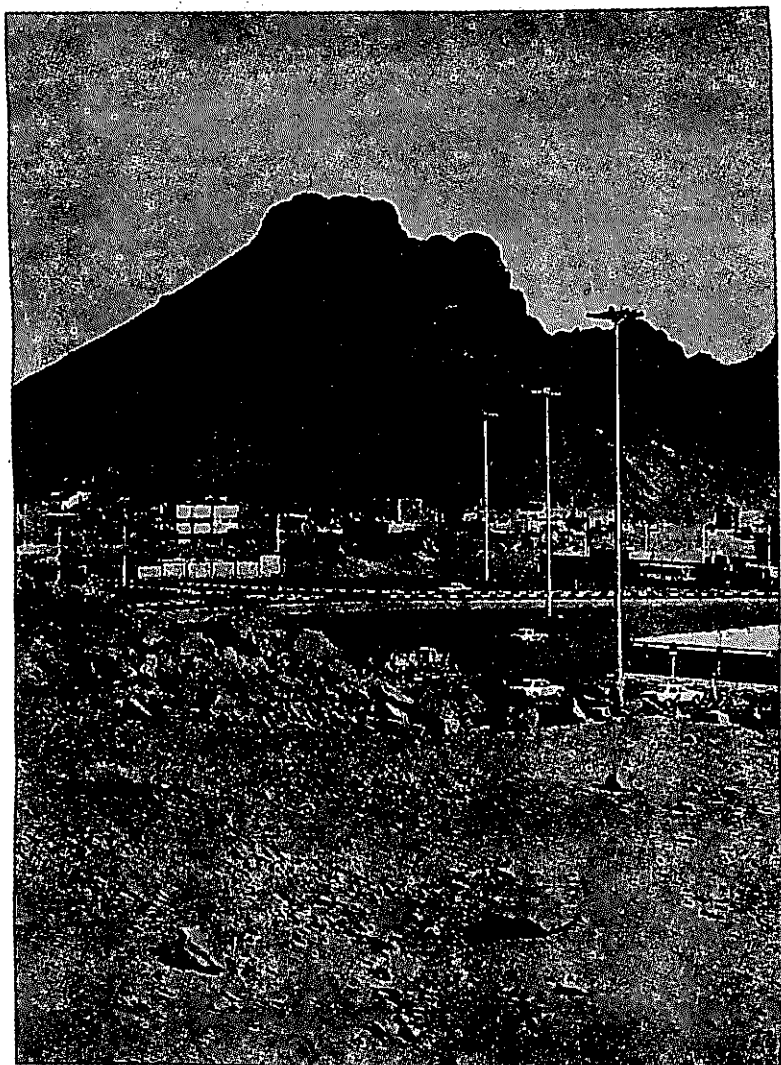
جبلِ اُحد ، جہاں جنگِ اُحد لڑی گئی

حج کے سلسلے میں
شریعت کے حکیمانہ انتظامات

حج کو زیادہ سے زیادہ موثر اور مفید بنانے کے لیے شریعت کے حکیمانہ انتظامات

وحیِ الٰہی اور شریعتِ آسمانی نے حج کے لیے ایک ایسی سازگار فضا اور موافق ماحول فراہم کر دیا ہے جس میں سنجیدگی اور عزم خود بخود پیدا ہوتا ہے اور دل و دماغ بیدار ہونے لگتے ہیں۔ اس نے اس کو عبادت و روحانیت اور تقدّس کے حصار سے گھیر دیا ہے۔ حج کا سفر اکثر لوگوں کے لیے ایک طویل اور دور دراز کا سفر ہے۔ جس میں حاجی کو مختلف ملکوں، مختلف فضاؤں اور طرح طرح کے دلفریب مناظر اور فتنہ انگیز ترغیبات سے گذرنا پڑتا ہے۔ مختلف مشغولیتیں اور کاروباری فکریں اس کو گھیرے رہتی ہیں۔ اس کی مدّت کبھی کم ہوتی ہے کبھی زیادہ، وہ نئے نئے شہروں میں داخل ہوتا ہے اور مختلف ملکوں کے لوگوں سے ملتا جلتا ہے، اُن میں مرد بھی ہوتے ہیں اور عورتیں بھی، جوان بھی ہوتے ہیں اور بوڑھے بھی۔ کبھی وہ اپنے گھر والوں

کے ساتھ حج کرتا ہے اور اس کی بیوی بچّے ہر جگہ اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو حج کے تقدّس اور رُعب اور اُس کی عظمت و شان اور عبادت و جہاد کی اسپرٹ کو ختم کر سکتی تھیں۔ اِس صورت میں اس کا اندیشہ تھا کہ یہ سفر ایک عام سفر یا پکنک اور تفریح بن جاتا۔ جہاں حاجی سیّاح کی طرح جاتا اور تاریخی مقامات کی سیر کے بعد اسی طرح خالی ہاتھ واپس آتا۔

شریعت نے حج کو تقدّس کا لباس عطا کیا

اس خطرہ کے سدّباب کے لیے شریعت نے حج کو عظمت اور تقدّس کا ایک ایسا رنگ عطا کیا ہے جو کبھی اُتر نہیں سکتا۔ اُس نے اُس کے چاروں طرف ایسی فصیل کھڑی کر دی ہے اور ایسی حفاظتی خندقیں کھود دی ہیں جن کی وجہ سے غفلت و ذہول اور لایعنی اور فضول چیزوں کو اس کے اندر داخل ہونے کا موقع ہی نہیں ہے۔ اس کے لیے اُس نے ایسے حکیمانہ اور دقیق احکام دیئے ہیں جو زندگی پر حج کی گرفت کو مضبوط کرتے اور اس کو اصلاح و تربیت کے ایک رکن اور تقرب الی اللہ کے ذریعہ کی حیثیت سے باقی رکھنے کی پوری طرح ضامن اور ذمہ دار ہیں۔

اُس نے سب سے پہلے اِس کو اسلام کا چوتھا رکن قرار دیا ہے اور جو اس کی شرطیں پوری کر سکے، اُس کے لیے اس کو ایک ایسا فریضہ قرار دیا ہے جس سے نہ کسی حالت میں صَرفِ نظر کیا جا سکتا ہے نہ اس کا کوئی بدل ممکن ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ
اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ
غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ [1]

اور لوگوں کے ذمّے ہے حج کرنا اللہ کے لیے اس
مکان کا (یعنی) اس شخص کے ذمّے جو وہاں تک پہنچنے
کی طاقت رکھتا ہو اور جو کفر کرے تو اللہ سارے
جہاں سے بے نیاز ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "جس کے پاس اس قدر زاد و راحلہ ہو جو اس کو بیت اللہ تک پہونچا سکے پھر بھی حج نہ کرے تو وہ چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی"، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور حج کرنا جس کو اس کی استطاعت ہو"

لسانِ نبوتؐ نے حج کی فضیلت اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے بلند درجہ کا بہت اہتمام اور تاکید کے ساتھ ذکر کیا ہے اس لیے کہ اسی سے دل میں طلب و شوق اور ایمان و احتساب کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور جب تک یہ دونوں

---

[1] سورۂ آلِ عمران، آیت ۹۷

چیزیں کسی عمل کے ساتھ وابستہ نہ ہوں اور اس کا محرک نہ بنیں اس عمل میں اللہ کے نزدیک کوئی قیمت نہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حج مبرور کا جنّت سے کم کوئی بدلہ نہیں"۔ حضرت ابوہریرہؓ سے ایک دوسری حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور بدکلامی و بدگوئی اور فسق و فجور سے اپنے کو محفوظ رکھا تو وہ ایسا ہو جائے گا جیسا اس دن تھا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا"۔ عبداللہ بن مسعودؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ "حج اور عمرہ کے درمیان متابعت کرو، اس لیے کہ یہ دونوں گناہوں کو اس طرح دور کرتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے یا سونے چاندی کے میل کو صاف کرتی ہے اور حجِ مبرور کا بدلہ جنّت سے کم کوئی چیز نہیں، اور جب مومن احرام میں ہوتا ہے تو سورج غروب ہونے کے ساتھ اس کے تمام گناہ بھی زائل ہو جاتے ہیں"۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اتنی بڑی تعداد میں جہنم سے آزاد کرتا ہو جتنا عرفہ کے دن"۔ (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل افضل ہے، آپؐ نے فرمایا "اللہ اور اس کے رسول پر ایمان"۔ عرض کیا گیا، اس کے بعد کیا، فرمایا "اللہ کے راستہ میں جہاد"۔ دریافت کیا گیا اس کے بعد کون سا، فرمایا "حج مبرور"۔ (متفق علیہ)

میقات حج کے تعیّن کی حکمت

اِن دُور رَس اور حکیمانہ قوانین میں میقاتِ حج کا تعیّن بھی شامل ہے۔ اس سے حاجی میں ایک نیا شعور اور فکری و روحانی بیداری پیدا ہوتی ہے۔ اس کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ شاہی دربار سے قریب ہوگیا ہے اور اس کی مقدّس اور محفوظ حدود میں داخل ہوگیا ہے۔ اگر یہ مواقیت نہ ہوتو حجاج بیت اللہ تک بلا کسی شعور واحساس کے اس طرح پہونچ جائیں جس طرح دیہاتی اور گنوار لوگ سلاطین وامرار کے دربار میں بلا سمجھے بُوجھے گھُس جاتے ہیں اور ذلّت کے ساتھ دھکّے دیکر نکال دیئے جاتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ مواقیت کی حکمت اور مختلف جہات سے آنے والوں کے لیے اس خاص جہت کے تعیّن کا راز بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مواقیت کا اصل راز یہ ہے کہ چوں کہ ایک طرف مکّہ میں آشفتہ حال اور پراگندہ بال ہونے کی تاکید ہے، دوسری طرف اپنے شہر سے احرام باندھ کر سفر کرنے میں کھلی ہوئی دشواری ہے۔ کسی کا راستہ ایک ماہ کا ہے، کسی کی مسافت دو مہینے سے بھی زیادہ کی ہے۔ اس لیے مکّہ کے اردگرد خاص مقامات متعیّن کر دیئے گئے ہیں جہاں سے احرام باندھنا ضروری ہے اس کا لحاظ بھی رکھا گیا ہے کہ یہ مقامات معروف ہوں اور عام گذرگاہوں کی حیثیت سے مشہور ہوں۔ اہل مدینہ کے لیے جو میقات (ذوالحلیفہ)

ہے وہ نسبتاً سب سے زیادہ دُور ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مدینہ وحی کا مرکز ایمان کا قلعہ اور دار الہجرت ہے اور سب سے پہلا شہر ہے جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی دعوت پر ایمان قبول کیا۔ اُس لحاظ سے اس کے باشندے اُس کے زیادہ حقدار ہیں کہ اعلائے کلمۃ الحق میں سب سے زیادہ کوشاں اور عبادت میں سب سے آگے رہیں۔ جواثیٔ طائف اور یمامہ وغیرہ کے برعکس سب سے پہلے ایمان لانے والے اور سب سے زیادہ اخلاص کا ثبوت دینے والے شہریوں اور قریوں میں اس کا شمار ہے، اِس لیے اِس کی میقات کی دُوری میں کوئی مضائقہ نہیں۔"

(حجۃ اللہ ج ۲ ص ۴۲)

احرام حاجی میں شعور اور بیداری پیدا کرنے کا سبب ہے

جہاں تک احرام کا تعلق ہے وہ حاجی میں شعور اور بیداری پیدا کرنے اور غفلت و ذہول کو دُور کرنے کے لیے ہے۔ وہ اس کے اندر یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ وہ کسی بڑی مہم کو سر کرنے جا رہا ہے اور سب سے مقدّس شاہی دربار میں حاضر ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں مظاہر، اور مصنوعی آرائش و زیبائش سے بالکلیہ آزادی ہے۔ اس لحاظ سے یہ احرام حج کے لیے وہ حیثیت رکھتا ہے جو نماز کے لیے تکبیر تحریمہ، جو نمازی کو ایک نئی فضا میں پہونچا دیتی ہے اور آزادی سے نکال کر تھوڑی دیر کے

لیے قید وپابندی میں ڈال دیتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"حج وعمرہ میں جو احرام باندھا جاتا ہے وہ نماز کی تکبیرِ تحریمہ کی طرح ہے۔ وہ اخلاص وتعظیم اور عزیمتِ مومن کی ایک ظاہری وعملی صورت آرائی ہے۔ اس کا مقصد لذتوں اور عادتوں اور آرائش وزیبائش کی تمام قسموں کو ترک کرکے نفس کو حقیر اور اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز وسرنگوں بنانا اور اللہ تعالیٰ کے لیے آشفتہ سری، پریشان حالی، اور کلفت وتعب کا مظاہرہ کرنا ہے۔" (حجۃ اللہ ج ۲، ص ۴۴)

اسی طرح احرام سے باہر آنے اور اس کے قیود واحکام سے رہائی پانے کے لیے بھی ایک خاص طریقہ مقرر ہے جو نفس کو متنبہ اور بیدار رکھتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ حاجی احرام سے بالکل اچانک باہر آجائے اور تمام چیزوں سے فوراً لطف اندوز ہونے لگے۔ وہ ایک خاص عمل اور نیت وارادہ سے احرام اتارتا ہے وہ نماز میں سلام کے ذریعہ اس کی فضا سے باہر آتا ہے اور احرام میں حلق (یعنی سر منڈانے) کے ذریعہ۔

حلق کا راز اور اس کی حکمت

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"حلق کا راز یہ ہے کہ اس سے احرام سے نکلنے کا ایک ایسا طریقہ

متعیّن ہوتا ہے جو وقار کے منافی نہیں ہے۔ اگر لوگوں کو اُن کے حال پر
چھوڑ دیا جاتا تو ہر شخص جو طریقہ چاہتا اختیار کر لیتا۔ اس کے علاوہ اس میں
پراگندہ بال اور ژولیدہ سر ہونے کی حالت کا خاتمہ ہے جو پہلے مطلوب تھی۔
یہ ایسا ہے جیسا نماز میں سلام پھیرنا۔"

(حجۃ اللہ ج ۲ ص ۴۵)

تلبیہ کی ضرورت اور حکمت

اس کے علاوہ حج کو مؤثر اور مفید بنانے کے لیے جو اقدامات و انتظامات کیے
گئے ہیں ان میں تلبیہ بھی شامل ہے جس کی شریعت میں ترغیب آئی ہے۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ سے زیادہ بلند آواز کے ساتھ تلبیہ کو مستحسن قرار دیا ہے۔
آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا حج افضل ہے؟
آپؐ نے فرمایا "اَلْعَجُّ وَالثَّجُّ"

روایت حضرت ابن عمرؓ (سنن ابن ماجہ)

نفس کو بیدار و ہشیار اور مقاصدِ حج سے آشنا اور آگاہ رکھنے میں اور اس کو
ایمان و محبّت اور ذوق و شوق اور اللہ تعالیٰ کے دربار عالی میں جبہ سائی اور ناصیہ فرسائی
کے جذبات و کیفیات سے مست و سرشار کرنے میں تلبیہ کا بڑا حصّہ ہے۔ اس سے
حاجی کے جسم و جان اور اعصاب میں ایمان و روحانیت کا کرنٹ اس طاقت اور تیزی

کے ساتھ دوڑ جاتا ہے جس طرح برقی لہر تاروں میں۔ وہ اُس کو اسلام کے اس رکنِ عظیم (حج) کے لیے تیار کرتا ہے جس کی طلب واستعداد، احساس وشعور اور اہتمام وتیاری کا موقع اس کو بعض اوقات نہیں ملتا جب وہ "لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ لَاشَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِیْكَ لَكَ"، کی صدا لگاتا ہے تو حج کے بلند مقاصد اور اس کی رُوح اور اسپرٹ اس کے سامنے پوری رعنائی ودلربائی کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ صبر وضبط کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور محبت وشوق کا ساغر بے ساختہ چھلکنے لگتا ہے، توحید کا شعلہ اس کی رگوں میں آتشِ سیال کی طرح دوڑ جاتا ہے اور اس کے سارے وجود کو بے قرار و سیماب وش بنا دیتا ہے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپؐ کے اصحاب کرامؓ اور حاملینِ دعوت کے ساتھ فکری وروحانی طور پر وابستہ ہو جاتا ہے اور ان کی جماعت میں گھُل مل جاتا ہے۔

حج کی دو خصوصیتیں، زماں اور مکان کی حُرمت

اللہ تعالیٰ نے حج کو ۲ دو حرمتیں یا ۲ دو عزتیں اور خصوصیتیں عطا کی ہیں۔ زمان کی حُرمت اور مکان کی حُرمت اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس رکنِ عظیم کی عظمت وجلال اور اپنی ذمہ داری اور فرضِ منصبی کا استحضار اور احساس حاجی کے اندر پوری قوت کے ساتھ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنی تمام نقل وحرکت اور قیام وسفر میں ذکی الحس، حاضر دماغ اور

بیدار ہشیار رہتا ہے اور ایک لمحہ کے لیے بھی اس روحانی فضا سے غافل اور بے پروا نہیں ہوتا جو اس کے گرد و پیش میں محیط ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ۚ (سورۂ توبہ، آیت ۳۶)

بے شک مہینوں کا شمار اللہ کے نزدیک بارہ ہی مہینے ہیں۔ کتاب الٰہی میں (اُس روز سے) جس روز کہ اس میں آسمان اور زمین پیدا کیے اور اُن میں سے چار (مہینے) حُرمت والے ہیں۔ یہی دین مستقیم ہے سو تم اِن (مہینوں) کے باب میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ

(سورۂ بقرہ، آیت ۲۱۷)

اور آپ سے حُرمت والے مہینے کی بابت (یعنی) اس میں

قتال کی بابت دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ
اس میں قتال کرنا بڑا (گناہ) ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ:

"بے شک زمانہ اپنی اصلی شکل پر لوٹ گیا ہے، جس دن
اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا کیے ان میں چار حرمت
والے مہینے ہیں، ذوالقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب مضر جو
جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔"
(مسلم)

جہاں تک مکان کی حرمت کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ
الَّذِي حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ وَّأُمِرْتُ
أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝

(سورۃ نمل آیۃ ۹۱)

(آپ کہہ دیجیے) مجھے تو یہی حکم ملا ہے کہ میں عبادت کروں
اس شہر کے مالک (حقیقی) کی جس نے اس کو محترم بنایا
ہے اور سب چیزیں اسی کی ملک ہیں۔ اور مجھے حکم ملا ہے
کہ میں فرمانبردار رہوں۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے

فتحِ مکہ کے موقع پر فرمایا کہ "آج سے ہجرت نہیں لیکن جہاد اور نیّت باقی ہے اور جب تمھیں دین کے لیے پکارا جائے تو فوراً نکل کھڑے ہو۔" آپ نے فتحِ مکہ کے دن یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن سے حُرمت بخشی ہے جس دن اُس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اس لیے اللہ تعالیٰ کی یہ حُرمت اُس کے ساتھ قیامت تک وابستہ ہے۔ مجھ سے پہلے بھی کسی کے لیے اس میں جنگ جائز نہیں ہوئی اور میرے لیے بھی صرف دن کی ایک گھڑی کے لیے اس کی رخصت ملی ہے۔ اب یہ قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ کی حرمت کے ساتھ حرام ہے، نہ اس میں کوئی کانٹا یا تنکا توڑا جا سکتا ہے نہ شکار ہنکایا جا سکتا ہے، نہ اُس کی گری ہوئی چیز اٹھائی جا سکتی ہے۔ ابن عباسؓ نے پوچھا یا رسول اللہؐ کیا اِذخر[1] بھی، اس لیے کہ لوگوں کے لیے اس کی ضرورت پڑتی ہے، آپ نے فرمایا کہ ہاں سوائے اِذخر کے۔"

حرم میں معصیت یوں بھی سخت چیز ہے، لیکن بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ حرم میں ارادۂ معصیت بھی معصیت میں شامل ہے، بخلاف دوسری چیزوں کے وہ اس کے ثبوت میں یہ آیت پیش کرتے ہیں:۔

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ	اور جو کوئی بھی اس کے
بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ	اندر کسی بے دینی کا ارادہ

[1] ایک خوشبودار گھاس کا نام ہے۔

عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ کرے گا ہم اُسے دردناک

(سورۃ حج آیت ۲۵) عذاب چکھائیں گے۔

ابنِ کثیرؒ نے لکھا ہے کہ یہ حرم کی خصوصیت ہے کہ یہاں ظلم کا ارادہ کرنے والا بھی قابلِ مواخذہ اور لائقِ عتاب ہے خواہ وہ اس ارادہ کو عملی جامہ پہنا سکے یا نہیں۔

زمان و مکان کی حُرمت کے ساتھ احرام کی حُرمت کیسے بھی بہت سے احکام اور خصوصی آداب ہیں مثلاً حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ

حُرُمٌ ط (سورہ مائدہ، آیۃ ۹۵)

اے ایمان والو! شکار کو مت مارو، جبکہ تم حالتِ احرام میں ہو۔

دوسری جگہ آتا ہے:۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ	تمہارے لیے دریائی شکار
الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا	اور اس کا کھانا جائز کیا گیا
لَكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ج	تمہارے نفع کے لیے اور
وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ	قافلوں کے لیے اور تمہارے
صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ	اوپر جب تک تم حالتِ احرام

حُرُماً ط وَاتَّقُوا اللّٰہَ	میں ہو خشکی کا شکار حرام
الَّذِیٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ ؕ	کیا گیا ہے اللہ سے ڈرتے رہو
(سورۂ مائدہ، آیت ۹۶)	جس کے پاس جمع کیے جاؤ گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں :

"ان اشیاء کی ممانعت" مُحرِم یعنی احرام باندھنے والے کے لیے اس لیے ہے کہ تذلّل، ترکِ تجمل، پراگندہ بال اور غبار آلود ہونے کی کیفیت حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور خوف کا غلبہ اور مؤاخذہ کا ڈر اس پر غالب رہے اور وہ اپنی خواہشات اور دلچسپیوں میں پھنس کر نہ رہ جائے۔ ان ممنوعات میں شکار اس لیے شامل ہے کہ وہ بھی ایک قسم کے توسّع میں داخل ہے اور دلچسپی اور تفریحِ خاطر کی چیز ہے۔"

(حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۴۴)

حج کا سفر اکثر اوقات ایک طویل سفر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ	اور لوگوں میں حج کا اعلان
یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی	کر دو لوگ تمھارے پاس

لہ ان دونوں آیتوں کی تفسیر سے مستنبط ہونے والے فقہی احکام و مسائل نیز اس کے اختلاف کو جاننے کے لیے تفسیر اور احکام قرآن کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔

كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ — آئیں گے اور دبلی اونٹنیوں
كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ — پر بھی جو دور دراز راستوں
(سورۂ حج آیت ۲۷) — سے پہونچی ہوں گی۔

اس میں انسان کو مختلف حالات پیش آتے ہیں، مختلف لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ نئے نئے لوگوں کی طویل عرصہ تک صحبت و رفاقت رہتی ہے۔ طرح طرح کے معاملات سامنے آتے ہیں اور یہ سب چیزیں بہت سے ممنوعات غلط قسم کے ترغیبات اور ایک دوسرے کے ساتھ کشمکش اور لڑائی جھگڑے کی حد تک پہونچا سکتی ہیں۔ حاجی اس سفر میں بہت سی چیزوں سے تنگ دل ہو جاتا ہے اور اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگتا ہے اور اس نتیجہ میں بعض اوقات اس سے ایسی باتیں سرزد ہو جاتی ہیں جن کو وہ اپنے وطن اور اپنے گھر میں بھی برا سمجھتا تھا اور حتی الامکان ان سے بچتا تھا۔ وہ بعض ایسی معصیتوں اور اخلاق قبیحہ میں گرفتار ہو جاتا ہے جو حج کی روح اور مقاصد کے یکسر منافی ہیں۔ حج میں ان چیزوں کی ممانعت خاص طور پر اس لیے آئی ہے کہ اس میں اس کا احتمال اور بڑھ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ج فَمَنْ فَرَضَ

فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ
فِي الْحَجِّ ط وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ
وَتَزَوَّدُوا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ز
وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ o

(سورۂ بقرآیت ۱۹۷)

حج کے (چند) مہینے معلوم ہیں، جو کوئی ان میں اپنے اوپر
حج مقرر کرے تو پھر حج میں کوئی فحش بات نہ ہونے پائے
اور نہ کوئی بے حکمی اور نہ کوئی جھگڑا[1]، اور جو کوئی بھی
نیک کام کروگے، اللہ کو اس کا علم ہو کر رہے گا، اور
زادِ راہ لے لیا کرو اور بہترین زادِ راہ تو تقویٰ ہے (سو اے
اہلِ فہم) میرا ہی تقویٰ اختیار کیے رہو۔

ان قوانین، اِحکام اور تعلیمات نے (جن کا تعلق قلب و جوارح، نیت و عمل اور زمان و مکان سے براہِ راست ہے) حج کو تقدس و طہارت، تورّع و زہد، مراقبہ و حضور، محاسبۂ نفس اور مجاہدہ و جہاد کی ایک ایسی خلعت عطا کی ہے جو دوسرے مذہبوں اور ملتوں کے اس قسم کے اعمال میں ہرگز نہیں ملتی۔ ان کی وجہ سے نفسِ انسانی، اخلاقِ عامہ اور عام زندگی پر جو اثرات پڑتے ہیں اس کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث قدسی کی تصدیق ہوتی ہے۔

---

[1] ان الفاظ کی تشریح کے لیے اِحکام و تفسیر کی کتابیں دیکھی جائیں۔

مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ.

جس نے خالص اللہ کے لیے حج کیا اور پھر دوران حج بری بات زبان سے نکالی نہ فسق وفجور اختیار کیا تو ایسا ہو کر لوٹا جیسا اس کی ماں نے جنا تھا۔

(صحاح ستہ باستثنائے ابوداؤد روایت ابوہریرہؓ)

(ماخوذ از "ارکانِ اربعہ" از مصنف مدظلہٗ)

مکّہ معظّمہ کا ایک فضائی منظر